GUMAN
گمان
VOL 7, ISSUE 3, 2024
E(ISSN) 2709-4162, P(ISSN) 2709-4154
https://guman.com.pk/index.php/GUMAN

اشفاق احمد کے کرداروں میں نسوانی نفسیات، اور داخلیت کا بہترین امتزاج
ایک محبت سو افسانے، صبحانے فسانے اور پھلکاری مجموعوں کے مرکزی و ضمنی، نسوانی کردار
تنقیدی تجزیہ

Saira Bano
PhD Scholar, Department of Urdu NCBA&E Multan
Sb2036693@gmail.com
Zee Hasham Haider
PhD Scholar , Department of Urdu, NCBA&E, sub Campus Multan
Zeehashamhaider1@gmail.com
Dr. Muhammad Shakil Pitafi
Professor, Department of Urdu, NCBA&E sub Campus, Multan
Shakilpitafi@gmail.com

Abstract

Ashfaq ahmad is a reliable reference in Urdu fiction . Through his pen, he has also effectively interprete the values associated with his soil along with global topics. They know the permanent skill of mixing the story with in the original culture an connecting it to the mind and heart with the real background. There are the qualities that link the art of Urdu fiction writing to the tradition o globalization and modernity. They know the art o easily getting into the spirit o the character at the base of the story wit all the essentials of the genre of fiction . In this Article, a critical analysis of this aspect has also been taken into consideration that Ashfaq ahmaed has paid special attention to the psychology of all kinds of characters along with the story in his fiction , the structure of the story atmosphere , and detailing . The vision is Far.reaching. He is sensation , pained and reformed writer, such a creator captres the underbelly of life by touching the strings of the characters soul, where they ave focued on the central male roles of the society, the psychology of women, her fragilitg , her interal state and te changing attitudes of time , the psy desires of womens under the social values and her natural rigts are valed. References have been made by himself. Ashfaq ahmad has considered the instinct of nature and human psychi in character formation . The tre prespective is full of colors. He

GUMAN گمان
VOL 7, ISSUE 3, 2024
E(ISSN) 2709-4162, P(ISSN) 2709-4154
https://guman.com.pk/index.php/GUMAN

presents the argument of the purity of love an innocence according to the nature of the femnisim and female charaters, the truth of feelings and emotions, as the reality of truth, in which there is no negative values, greed , envy, or self. Pity . love repeats the rhythmic melody of breats for the acknowledgment and confirmation in every soul. Beloved and loved once togather form the strings of this melodious beat. In tis article, it is highlighted that in fact Ashfaq ahmed gives a clear message on the surface of the story , we should value our story , we should value our innocent relationships regarless of their likes and dislikes . The objects and values associated wit things should be cherishe . It strengthens , tenderness emerges from feeling. Relationships always nee expression.

Key words: Reliable, Effectively, Values, Soil, Culture, Qualities, Fiction, Globalization, Essentials , Atmosphere, Structure, Acknowledgment, Femnisim

اشفاق احمد اردو ادب میں ایک نامور اور منجھے ہوئے افسانہ نگار ہیں۔ جنھیں اردو زبان کے ساتھ ساتھ پنجابی زبان پر بھی مکمل عبور حاصل تھا۔ اگرچہ آپ نے اردو ادب کی ہر صنف پر بہت خوبی سے کام کیا۔ لیکن اشفاق احمد کی وجہ شہرت دو اصناف، ڈرامہ نویسی اور افسانہ نگاری تھیں۔ ان کی بارے ڈاکٹر فرمان فتحپوری رقم طراز ہیں:

"اشفاق احمد کا بنیادی اور نمایاں وصف یہ ہے کہ

وہ کہانی سنانے کے فن سے واقف ہیں، اور اردو کے ممتاز افسانہ نگار ہیں۔"1

ڈاکڑ انور سدید لکھتے ہیں:

"انہوں نے جس انسان کو اپنے افسانوں میں چلتے پھرتے، بولتے اور سماجی واقعات پر اپنا

تاثر ظاہر کرتے دکھایا ہے وہ آج کا انسان ہے۔" 2

ان کے افسانوں نے اپنی پیش کش اور موضوعات کی بدولت عالمی شہرت حاصل کی۔ اشفاق احمد کے افسانوی مجموعے درج ذیل ہیں۔ ایک محبت سو افسانے، اجلے پھول، سفر مینا، پھلکاری، ایک ہی بولی، صبحانے فسانے، طلسم ہوش افزاء، غیر مطبوعہ افسانے۔ اشفاق احمد نے اپنے افسانوں میں کہانی کے ساتھ کرداروں کی پیش کش میں نفسیاتی مقاصد اور کہانی کے ماحول یا منظر کی تخلیق کے لیے جزئیات نگاری سے بہت کام لیا ہے۔ ان کا مشاہدہ عمیق اور نگاہ دوررس ہے۔ وہ ایک حساس اور باریک بین افسانہ نگار ثابت ہوئے ہیں۔ ان کا مشاہدہ عمیق اور نگاہ دوررس ہے۔ ایک حساس ادیب کی یہ خوبی ہوتی ہے کہ وہ اپنے سماج کے لان چھوٹے چھوٹے واقعات اور حالات کے اتار چڑھاو کو بھی مد نظر رکھتا ہے۔ جسے ایک عام آنکھ نظر انداز کر دیتی ہے۔

اس اقتباس میں بھی جزئیات نگاری کے فن کو دیکھا جا سکتا ہے۔ ایک اچھا تخلیق کار کہانی کے موضوع کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے فضا بھی قائم کرتا ہے۔ اور ماحول بھی۔ اشفاق احمد کرداروں کو متعارف کروانے کے لیے بھی جزئیات نگاری کو ماہرانہ انداز میں استعمال کرتے ہیں۔

،،جب میری خالہ زادوں نے اوئے ہوئے کر کے اور میرے ساتھ آدھی آدھی اور پونی پونی جھپیاں سی

ڈال کے پھر ڈھولک سنبھال لی تو میں نے دیکھا کہ روڑے والی کے پیچھے والی لڑکی کے ساتھ لگ کر ایک

GUMAN
گمان
VOL 7, ISSUE 3, 2024
E(ISSN) 2709-4162, P(ISSN) 2709-4154
https://guman.com.pk/index.php/GUMAN

شفاف سی لڑکی دونوں زانوں پر ہاتھ رکھے التحیات کے انداز میں بیٹھی ہے اور اس کی چوٹی اسکے کندھے پر سے ہو کر اس کی گود میں ڈھیر ہے۔اور اس میں سیاہ ریشم کا موباف ہے اور اس کے آخر پر کوکا کولا بوتل کے پیندے جتنے بڑے ہاتھی دانت کے گول گول چھلے ہیں کانوں میں گہرے نیلے رنگ کے ٹاپس ہیں۔گلے میں نسواری رنگ کا چنا ہوا دوپٹا ہے۔اور کندھے کے اوپر لیڈی ہملٹن دو رنگ بدلتی ہے۔حالانکہ یہ لٹکا ہوا بلب ہل رہا ہے۔اور نہ ہی اس کے کندھے میں جنبش ہے۔ایک آستین کہنی تک الٹی چڑھی ہے اور دوسری کلائی پر بند ہے۔اور بند آستین پر تین بٹن گلے ہیں۔،،3

کردار نگاری کا ایک انداز یوں بھی پیش کرتے ہیں:

"گالوں کی ہڈیاں اور ابھر آئیں۔آنکھوں کے حلقے سیاہ ہو کر اندھے کنویں بن گئے۔کان کی لوئیں کنول کے مرجھائے ڈنٹر کی سنولا گئیں۔انگل انگل ڈاڑھی بال اور تھوک سے چپک کر سیاہ بانات کا ٹکڑا بن گئی۔آنکھوں میں غلیظ مادہ کثرت بھر گیا اور ہر سانس سے بو آنے لگی۔اس کے روائی زخم اور گہرے ہو گئے تھے۔اور بستر کی رگڑ سے یوں دکھتے تھے جیسے کسی نے چٹکی بھر نمک ان پر چھڑک دیا ہو۔کولہوں کی ہڈیاں پتلی سی جھلی میں لپٹی ہوئی صاف دکھائی دیتی تھیں اور ان کے جوڑ عرصہ سے بند چولی دروازوں کی طرح آوازیں نکالتے محسوس ہوتے تھے۔،،4

یہ اقتباس کہانی کے مرکزی خیال پر روشنی ڈالتا ہے اور ایک دردناک منظر قاری کی نظروں کے سامنے گھوم جاتا ہے۔ان مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ اشفاق احمد کو جزئیات نگاری میں کمال حاصل ہے۔ان کے بیشتر افسانوں میں اس کا اخاص التزام موجود ہے لیکن وہ کہیں بھی غیر ضروری طوالت میں بجائے صرف ان چیزوں کا انتخاب کرتے ہیں جو کہانی کے اہم کرداروں، موضوع یا مقصد پر روشنی ڈالتا ہو یا کسی منظر کی تخلیق کا باعث ہو۔اشفاق احمد کی جزئیات نگاری کے فن پر روشنی ڈالتے ہوئے وقار عظیم فرماتے ہیں:

،،ان کی نظر ایک جگہ ٹھہری نہیں ہے۔لیکن جہاں ٹھہرتی ہے وہاں تمام جزئیات کا جائزہ لیتی ہے۔،،5

اسی طرح ایک افسانہ نگار کسی واقعہ یا کہانی میں جان ڈالنے کے لیے منظر نگاری یا تصویر کشی کا سہارا لیتا ہے۔ایک افسانہ نگار کسی شہر، گاوں، صحرا اور دریا، کھیت کھلیان بلکہ قدرت کے نظام وغیرہ ہر طرح کی شے کو بیان کرتا ہے۔اور ایسا وہ لفظوں کے ذریعے ہی کرتا ہے۔جسے ہم منظر نگاری کہتے ہیں جزئیات نگاری پر زبردست دسترس کی وجہ اشفاق احمد کے ہاں منظر کشی اتنی عمدہ ہوتی ہے کہ یہ منظر کشی کسی کردار کی وضع قطع کی ہو یا کسی منظر کشی کی کسی کردار کی وضع قطع کی ہو یا کسی منظر فطرت کی ہو بہو لفظوں کے ذریعے قاری کے تخیل پر ویسے ہی ان کی مناظر کی تصویر بنتی چلی جاتی ہے۔

افسانوی ادب میں کردار ناگزیر ہیں۔فکشن کی کوئی بھی صنف ہو، ناول، داستان، ڈرامہ، افسانہ، مثنوی یا منظوم قصے کی کوئی اور صورت جہاں کوئی اور قصہ ملے گا۔وہاں کوئی اشخاص بھی ہوں گے۔ایسا ادب جس میں ہماری دلچسپی واقعات کی رفتار کے ساتھ ساتھ اشخاص کے طرز عمل، افتاد طبع اور ذہن ومزاج کے مجموعی تاثر سے بھی وابستہ ہوتی ہے۔قصوں کے ان اشخاص کو کردار اور ان کی فنی پیش کش کو کردار نگاری کہا جاتا ہے۔کسی قصہ کے کردار عموما انسان ہوتے ہیں دوسرے جاندار یا غیر ذی روح اشیا بھی قصوں کی دنیا میں اجنبی نہیں ہیں۔لیکن ان کی حیثیت یا تو علامات کی ہے یا وہ انسانی کرداروں کا بدل ہیں۔جو اشخاص یا انسان قصوں میں پائے جاتے ہیں اور جن پر کردار کی مذکورہ بالا اصطلاح کا اطلاق

GUMAN گمان
VOL 7, ISSUE 3, 2024
E(ISSN) 2709-4162, P(ISSN) 2709-4154
https://guman.com.pk/index.php/GUMAN

ہوتا ہے۔ان کے کرداروں کی جہتیں کس طرح متعین ہوتی ہیں اور تعین میں کام کرنے والے عناصر کون کون سے ہیں۔اسی سلسلے میں سب سے پہلے کردار کی معنویت اور ماہیت غور طلب ہے۔اس ایک نقطے سے بقیہ سارے نکات منسلک ہیں۔اس لیے کردار کے لغوی اور اصطلاحی معنی کو جاننا ضروری محسوس ہوتا ہے۔کردار اپنے عام معنوں سے قطع نظر ایک اصطلاح بھی ہے۔ہماری لغات کی کتابوں میں کردار کے معنی یوں بیان کئے گئے ہیں۔

،،روش طرز، طور طریق، عمل، فعل، رفتار چلن، قاعدہ، رویہ، عادت، خصلت، برتاو، شغل، کام، دھندہ، اخلاق،،6

لفظ کردار کے حقیقی اور اصطلاحی معنوں میں تطابق کی تلاش کرتے ہوئے ہم یہ فراموش نہیں کر سکتے کہ اس لفظ کی اصطلاحی حیثیت مغرب کے تصورات و مصطلحات سے مستعار ہے۔افسانوی ادب سے متعلق جتنی باتیں ہم نے مغرب سے اخذ کی ہیں کردار کی اصطلاح بھی ان میں شامل ہے۔لفظ کردار انگریزی لفظ کریکٹر سے مستعار لیا گیا ہے۔ کردار کا وجود اگرچہ ہمارے ادب میں دور قدیم سے ہے لیکن اس کو یہ نام بہت دیر بعد عطا ہوا۔اس لیے لفظ کردار کی چھان بین دراصل اسی لفظ کریکٹر کی چھان بین ہے۔جو ہمارے ادب میں انگریزی لفظ کریکٹر کا نعم البدل ہے۔جس طرح اردو زبان میں کردار کے دو معنی ہیں اسی طرح لفظ کریکٹر کے بھی دو معنی ہیں۔حقیقی اور لغوی یا اصطلاحی یا مجازی۔افسانوی ادب میں لفظ کریکٹر یا کردار کا استعمال، مجازی معنوں میں ہوتا ہے۔انگریزی زبان میں یہ لفظ یونانی زبان سے داخل ہوا اور رفتہ رفتہ اس کا مفہوم وسیع ہوتا گیا۔انسان کی شخصیت یا کردار بڑا دلچسپ موضوع ہے۔اپنی تہہ داریوں اور نیرنگیوں سے اس نے انسانی فکر کو ہمیشہ اپنی تہہ داریوں، پیچیدگیوں سے اپنی طرف متوجہ کیا ہے۔کردار نگاری دراصل کسی شخصیت کی عادت اور اعمال کو بیان کرنے کا نام ہے۔افسانوی ادب میں کردار نگاری کو فن کا درجہ حاصل ہے۔اس کے کچھ مخصوص تقاضے ہیں۔یوں تو افسانوی کردار عام انسانی کردار کا ہی کسی نہ کسی اعتبار سے چربہ ہوتا ہے۔افسانوی کردار انسانی کرداروں سے مشابہہ ہو کر بھی حقیقی انسان نہیں ہوتے۔اس کا مطلب ہر گز نہیں کہ کردار نگاری میں واقفیت نہیں ہو سکتی۔کردار نگاری میں واقفیت کا مطلب صرف اتنا ہے کہ افسانوی ادب کے اصولوں کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے افسانوی کردار قابل یقین معلوم ہوں۔

ای ایم فوسٹر نے ناول کے متعلق کہا تھا:

،،ناول ایک فنی کارنامہ ہے۔اس کے قوانین روزمرہ زندگی سے الگ ہیں۔کسی ناول کا کردار اس وقت حقیقت پسندانہ ہے۔جب وہ ان قوانین سے لطافت رکھتی ہوئی زندگی گزارتا ہے۔،،7

زیر تحقیق مجموعوں میں شامل افسانوں کے نسوانی کرداروں میں جائزے کے لیے جدید تانیثی رجحانات اور تھیوریز کے تناظر کو مد نظر رکھنا بے حد ضروری ہے کیونکہ اشفاق احمد اور بانو قدسیہ کے مطالعات سے ان کی کہانیوں میں جدیدیت مابعد جدیدیت اور تانیثی جہتوں کا سراغ باسانی لگایا جا سکتا ہے۔تانیثیت کے حوالے دیکھا جائے تو عورت کی فکر کو بہ حیثیت انسان پیش کیا گیا ہے اور اس کی ذات کی ترجمانی کس قدر ضروری ہے اس پر روشنی ڈالنا ضروری ہے۔عورتیں اس حوالے سے کہ وہ بھی انسان ہیں اپنے تمام تر انسانی حقوق کے مطالبے کا اختیار فطری طور پر رکھتی ہیں۔نسائیت سے مراد ہے کہ اس تقسیم کو چیلنج کیا جائے جو دنیا بھر کے مزدوروں میں کی جاتی ہے۔جس میں مرد حکومتی سیکٹر میں ہر شعبے کا انچارج ہوتا ہے، جیسے تعمیرات سپورٹس، جنگ اور حکومت کے دیگر انتظامی شعبے۔جبکہ عورت ایک ایسے غلام کی حالت میں گھر میں رہتی ہے، جسے خدمات کا کوئی معاوضہ نہیں ملتا۔وہ تنہا خاندان بھر کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھائے رکھتی ہے۔نسائیت کا سورج طلوع ہونے سے پہلے کی حالت تاریخ میں ایسی خواتین کی مثالیں موجود ہیں، جو کہ غیر معمولی طاقت، اختیارات دیانت کی مالک تھیں ایسی عورتیں تاریخ میں مالکاوں بہادر، جنگ جو، جادو گرنیوں، سائنسدانوں اور شاعرات اور فنکاروں کے نام سے پہچانی جاتی تھیں۔یہ خواتین تاریخ کی معروف و ممتاز شخصیات تھیں، لیکن مذکورہ خواتین فرد کے طور پر ان توقعات پر پوری نہ اتر سکیں، جو ان سے عام خواتین کی صورتحال میں تبدیلی لانے کے نکتہ نظر سے وابستہ کی گئی تھیں۔خواتین کا محکومانہ مقام بدلنے کی کہانی نسائیت سے شروع ہوتی ہے۔نسائیت کی یہ تحریک کب شروع ہوئی؟اس کا جواب ہے کہ جب عورتوں نے شعوری طور پر

GUMAN گمان
VOL 7, ISSUE 3, 2024
E(ISSN) 2709-4162, P(ISSN) 2709-4154
https://guman.com.pk/index.php/GUMAN

خود کو بڑے پیمانے پر اور موثر انداز میں اپنے معاشرتی مقام کو بدلنے کے لیے خود کو منظم کرنا شروع کیا۔اٹھارویں صدی نصف کے بعد روشن خیال مفکرینکے ایک بین الاقوامی گروپ نے اس صورتحال کو چیلنج کرنا شروع کر دیا، جو جاگیر درانہ معاشرے اور مراعات یافتہ طبقے بمشول بادشاہ، پادری اور اشرافیہ کے امتیازی سلوک پر تھا انہوں نے قدیم سخت گیر دارانہ بالادستی کی پیدا کردہ عدم دستیابی کی مساوات سے اس صورتحال میں مرد پر نکتہ چینی شروع کر دی۔روشن خیال فلاسفروں میں سے ایک روسو جو جینوا کے ایک گھڑی ساز کا بیٹا تھا اس نے تمام سماجی ناانصافیوں پر حملہ کیا۔

اردو فکشن کی تاریخ سے واضح ہوتا ہے کہ اٹھارویں صدی کے اختتام اور انیسویں کے آغاز میں ہی ایسی فضا میسر آگئی جس سے میں خواتین کے حقوق اور انصاف کا شعور معاشرے کی ضرورت بن چکا تھا اس میں بہت اہم کردار اردو ادب میں نثری اور شعری سرمائے نے ادا کیا۔اس میں اردو اب کے بڑے بڑے ادباء اور شعراء کا نام قابل ذکر ہے۔ اس کہکشاں کا ایک اہم ستارہ لاہور سے تعلق رکھنے والے صوفی منش ادیب متکلم، درویش صفت مصلح "اشفاق احمد" ہیں ان کے قلم نے سماج کی روح میں اتر اس کی پرت در پرت تہیں کھولیں اور کہانی کو افسانوی فن کے ساتھ گوندھ کر شہکار افسانے اور بے مثل کردار تخلیق کیے۔یہ کردار اردو ادب کے اپنی روایت رقم کرتے گئے اور اردو فکشن نے افسانے کو زمین، اقدار و روایت سے منسلک کر دیا۔اشفاق احمد کے بے شمار افسانوی مجموعے سامنے ہیں جن کے نسوانی کردار جاندار کردار کے طور پر ان کی سماجی شعور پر گرفت کا بین ثبوت ہیں۔ اشفاق احمد کا افسانہ ،،توبہ،، میں کہانی نوجوان کی توبہ کے حوالے سے لکھی گئی ہے۔اس افسانے میں مرکزی کردار کے ساتھ ضمنی کردار افسانے میں اپنی حیثیت اور کارکردگی سے معاون کردار کے طور پر ابھرتے ہیں۔جیسے اباجان، تھانیدار، لاوڈ سپیکر کا مستری، ظہیر بھائی، دیگیں پکانے والا نائی اہم کردار ہیں۔انہی افراد کی موجودگی سے مصنف افسانے کی کہانی کی فضا میلین تکمیل کا احساس بھر دیتے ہیں۔والد کا کردار اعجاز کو پدری شفقت کے باعث ہر برائی سے محفوظ رکھنے کے لیے تحفے تحائف اور بھلائی کا راستہ دکھاتا ہے۔جو عموما ولادین کرتے بھی ہیں۔جس سے اس کی صحت پر منفی اثرات کا خدشہ تھا۔والد کی حقیقی تصویر پیش کرنے سے کہانی زمین سے جڑی لگتی ہے۔ظہیر بھیا افسانے کا رومانوی کردار ہے جو اعجاز کے ساتھ لیکھا سے ملاقات کا راز دار ہے۔جو اعجاز کو رومانس پر اکساتے نظر آتے ہیں۔

،، ظہیر بھائی جعفری میں آئے۔مجھے اس طرح بیٹھا دیکھ کر حیران رہ گئے۔ارے تم یہاں ہو۔شادی میں یہ کیا رونکھا چہرہ بان رکھا ہے۔انہوں نے میرے کندھے پہ ہاتھ مار کر کہا۔یہاں آئے ہو تو رومانس لڑاو، ایسے موقع ہر روز نہین ملا کرتے۔۔۔۔۔کچھ ہے پریکٹس۔8۔

اشفاق احمد اپنی کامل تخلیق کاری ہنر مندی سے یہ مکالمے ضمنی کردار کے ذریعے کہلوا کر نوجوان کے جذبات کی عکاسی کرتے ہیں۔اسی طرح شادی پر دیگیں پکانے والے باورچی کے کردار میں مصنف نے مزدور طبقی کی سوچ کی عکاسی کی ہے۔یہ اپنے کام میں ماہر ہونے کے علاوہ سیاست، مزہب، معاشرت، معاشیات اور فلسفہ جیسے موضوعات پر نہ صرف گفتگو کرنا پسند کرتا ہے۔یہ اپنے آپ کو ماہر تسلیم کروانے پر مصر ہے۔مسلم لیگ کی فتح کا تذکرہ کرتا ہے۔یہ ۱۹۴۰ کی دہائی میں لکھا گیا افسانہ ہے۔تو تحریک پاکستان کے دوران مسلم لیگ اور آزادی کا پیغام گھر گھر پہنچ چکا تھا وہ کہتا ہے:

،،اس دفعہ مسلم لیگ جیتے گی، اس نے پھندنا پکر کر ٹوپی اپنے سر سے کھینچی اور اسے انگلی پر گھمانے لگا۔کیا نام لیگ کا سب سے بڑا افسر آیا تھا۔ہماری تو ساری کی ساری برادری کا نام ادھر ہی وہ دے گی۔اپنے باپ دادا تو سالے ساری عمر بکتے ہی رہے ہیں۔پر ہم سے تو وہ نہیں ہو سکتا کہ اتنے رقبہ کے آدمی کی نہ مانیں اور دو روپے لے کر بھگت جائیں ادھر۔۔9

GUMAN گمان
VOL 7, ISSUE 3, 2024
E(ISSN) 2709-4162, P(ISSN) 2709-4154
https://guman.com.pk/index.php/GUMAN

دو تین انداز میں اشفاق احمد نے محنت کش طبقے کے افراد کی معاشرتی، سماجی معاملات میں دلچسپی کو واضح کیا ہے۔ مثلاً باورچی دیگیں پکانے کے ساتھ سیاست پر کھلے عام گفتگو کرتا ہے۔ مسل لیگ کو نام لیگ پکارتا ہے۔ کم عمر اور ناخواندہ ہونے کے باوجود سیاسی و ملکی حوالے سے تھوڑی بہت سمجھ بوجھ ظاہر کرتا ہے۔ اس طرح وہ مسلم لیگ کے ورکز کو آفیسرز کے برابر گردانتا ہے۔ اور تیسری اہم بات عام طور پر پڑھے لکھے محنت کرنے والے خود کو باشعور، عقل کل اور ہوشیار سمجھتے ہوئے روئے دہی کرتے ہیں۔ اپنے آباواجداد کی سیاسی اور ملکی بصیرت پر کڑی تنقید سے لے کر باورچی کے مختلف مسائل سوچ اور فکر کو اس کے اپنے لب و لہجے سے نمایاں کیا ہے۔ اشفاق احمد چونکہ فطرت شناس کہانی کار ہیں انہی چھوٹے کرداروں سے انسان کی عادتوں کے مدارج پر روشنی ڈالتے ہیں۔

پیٹر (رات بیت رہی ہے)

پیٹر کا کردار اس افسانے کا اہم ضمنی کردار ہے۔ یہ نوجوان ہوا باز امریکہ سے تعلق رکھتا تھا۔ جس کا باپ یونیورسٹی میں جغرافیہ کا پروفیسر ہے۔ اور پیٹر پوری دنیا گھوم چکا ہے۔ امریکی فوج میں ہوا باز بھرتی ہوا محاذ پر چلا گیا۔ محبوبہ کی خواہش پر پائلٹ بن گیا۔ مرکزی کردار کے ساتھ پیٹر نے افسانے میں موثر رنگ بھرے ہیں۔ پیٹر محاذ پر زندگی اور موت کی غیر یقینی کیفیت سے گزرتا ہے اس لیے اس ذہنی و دلی کیفیات کو بھرپور انداز میں اشفاق احمد نے پیش کیا ہے۔ جنگی مصروفیات کے بعد بھی مارگریٹ کی یاد سے دل آباد رکھتا ہے اور اس کی شخصیت کا الجھاو سامنے رہتا ہے۔ ہندوستانی نوجوان خط میں پیٹر اور مارگریٹ کے بارے میں ذکر کرتا ہے:

،،پھر پرنسٹن یونیورسٹی کی ہلکی سی تمہید کے بعد وہ تیرنے کے لیے اس تالاب کا ذکر ضرور کرتا ہے جہاں پہلے پہل ان کی ملاقات ہوئی تھی۔ مجھے کئی ہزار مرتبہ یہ بتانے کے بعد وہ ہر دفعہ اس بات کا تذکرہ ضرور کرتا کہ اس دن مارگریٹ نے سرخ رنگ کی سکرٹ پہنی ہوئی تھی۔ اور وہ لالے کا پھول دکھائی دیتی تھی۔ جو آسمان سے شبنم کے ساتھ اترا ہو۔،،۔10

افسانے میں پیٹر کے تمام مکالموں سے واضح ہوتا ہے۔ کہ وہ آخری خواہش کے طور پر مارگریٹ کی تصویر دیکھنا چاہتا تھا۔ محبت کے جذبے میں محو ہوتے ہوئے، محبت کی تکمیل کے لیے جان دیتا ہے۔ اشفاق احمد رومانوی کردار میں داخل کیفیات کو جزئیات کے پیمانے میں مہارت سے اجاگر کرتے ہیں۔

تلاش (خان، جیکی، توقیر بھائی)

اس افسانے یہ اہم ضمنی کردار ہیں جن کی معاونت سے مرکزی کردار اپنا بھرپور تاثر قائم کرنے میں کامیاب ہوا ہے۔ ننھے احسان کے پالتو کتے کی تلاش پر مبنی کہانی فسادات اور تقسیم ہند کے تناظر میں لکھی گئی ہے۔ خان اور توقیر جیکی کی تلاش میں احسان کے مددگار ہوتے ہیں۔ کہانی کے آغاز میں احسان ان فقروں سے اعتراف کرتا ہے کہ خان کے بغیر جیکی ہندوستان میں ہی رہ جاتا۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب لٹے پٹے مہاجرین کے قافلے پاکستان کی آئیڈئل زمین پر قدم بڑھا رہے تھے۔ اپنوں کی جدائی کا صدمہ، زمین حویلیوں، گھروں کے آنگن جو رنگوں اور روشنیوں سے یادوں کا چمن آباد کئے ہوئے تھے۔

،،ویسے تو یہ دانہ پانی کے اختیار کی بات ہے لیکن اگر خان کی مدد شامل نہ ہوتی تو جیکی ہندوستان میں ہی رہ جاتا۔ اس بھگدڑ میں لوگ مال و اسباب تو کیا خویش و اقارب تک بھول گئے۔،،۔11

خان ایک اہم کردار ہے جو جیکی کتے کی تلاش کی وجہ سے احسان کے ساتھ تھا۔ احسان اس سے پر خلوص طریقے سے وابستہ ہے۔ تقسیم کے ہنگاموں اور فسادات کے باعث لوگ اپنوں سے بچھڑ گئے اس وقت خان نے کتے کو ٹرک پر سوار کر دیتا ہے۔ حالانکہ حالات سخت اور نامساعد تھے۔ سفر دشوار تھا۔ مگر خان فوجیوں کے انچارج کیپٹن کو بعد اسرار دھمکی دینے پر

GUMAN گمان
VOL 7, ISSUE 3, 2024
E(ISSN) 2709-4162, P(ISSN) 2709-4154
https://guman.com.pk/index.php/GUMAN

جیکی کو سامان کے ساتھ لاد دیا۔ جانوروں سے اس کردار کی والہانہ محبت کا جزبہ اس کردار کی عظمت کو بڑھا دیتا ہے۔ اس کا اظہار زبانی اور عملی طور پر وقتاً فوقتاً کرتا رہتا ہے۔ خان ماضی کی یادوں کے ساتھ آگے بڑھتا ہے۔ خان کو احسان سے کام پڑتا ہے۔ تو گفتگو یوں کرتا ہے:

،،دیکھو یارا گر ہم نہ ہوتے تو تیرا جیکی ہندوستان ہی رہ جاتا۔ رہ جاتا کہ نہیں۔۔۔؟ اور پھر دیکھ کہاں میانی اور کہاں کراچی؟ وہاں تو ایسے ایسے آدمی رہ گئے جنہیں یاد کر کے آج کئی گھر راتیں رو رو کے گزارتے ہیں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میں مر تو جاتا پر تیرے جیکی کو ادھر نہیں چھوڑنا تھا،،۔12

جیکی کا ذکر کرتے ہوئے بچھڑے لوگوں کو یاد کرواتا ہے۔ کہ اپنی جدائی کا غم جن کے حصے آیا ان کو کیسے کیسے الم برداشت کرنا پڑے، ہجرت کے وقت لوگوں کا بچھڑنا بلوایوں کے حملوں کا نشانہ بننا، مہاجر کیمپوں میں بے یار و مددگار زمینی و آسمانی آفات کا شکار ہونا کس طرح دردناک احساس سے دوچار کرتا ہے۔ یہ خان کے کردار سے ان کی فکری آگہی سے اجاگر ہوتا ہے۔ افسانے کا اہم ضمنی کردار جیکی کا ہے جو ہے تو ایک جانور مگر اشفاق احمد نے اس کے توسط سے انسان سے ہی نہی بلکہ مخلوق خدا سے انسیت و محبت کا والہانہ انداز اختیار کیا ہے۔ اور بے لوث محبت کا درس دیا ہے۔ مرکزی کردار کو داستانوی انداز میں پرکھا جائے تو اس کی جان کتے میں اٹکی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ جیکی سے الفت جہاں احسان کو اصلیت سے دوچار کرتا ہے وہیں افسانہ کو منطقی انجام بھی دینے میں معاون ہے۔ اشفاق احمد جیکی کو اہم حصہ بناتے ہیں کہ قاری اسے افسانے کا اہم کردار مانتے ہوئے مرکز نگاہ بناتا ہے۔ احسان کیپٹن کو جیکی منفرد صفات گنواتا ہے۔ جو اسے باقی کتوں سے منفرد کرتی ہے۔

،،اس کے بیس ناخن ہیں۔ دوسرے کتوں کے صرف اٹھارہ ہوتے ہیں۔ پانچ پانچ اگے اور چار پیچھے۔ وہ اتنے طاقت ور نہیں ہوتے۔ جیکی بہت طاقتور ہے۔ اس کا سر دیکھیے نوردین کہتا تھا۔ جب یہ بڑا ہو جائے گا تو ریچھ کا شکار کرے گا۔ بیس ناخنوں والے کتے اپنے پنجے ریچھ کی آنکھوں میں گاڑ کر اس کی تھوتھنی چبا جاتے ہیں،،۔13

اشفاق احمد نے جیکی کے کردار پر بغور جزئیات کے روشنی ڈالی ہے۔ دو بھکارنیں جب احسان کی بہن ٹینم کا فراک لے کر بھاگنے لگتی ہیں تو جیکی زور زور سے بھونکتا ہے۔ ماں کے فوراً آجانے پر بھکارنیں بھاگ جاتی ہے۔

اشفاق احمد کا افسانہ ،،رکی ہوئی عمر،، (بھلکاری) اہم نفسیاتی اور ذہنی تہذیبی گرہوں کے سلجھاو پر مبنی قصہ ہے جسے مصنف نے کمال خوبی اور مہارت کے ساتھ بیان کیا ہے اپنی مٹی اپنی زمین سے جڑے لوگوں کی قدر شناسی اور اخلاقیات کے دائرے کس طرح پھیل کر وقت کے دائروں کو سمیٹ کر عمروں کے خانے بھرتے ہیں اس کہانی میں مرکزی کردار ،، حضرت صاحب،، نے یہ واضح کر دیا ہے۔ کہانی کا راوی واحد متکلم جو اپنے دوست کی ذمہ داری نبھانے کی غرض سے اس کے گاوں کے چوہدری جن کا وہ معتقد تھا ان کا جواں سال بیٹا ان کے سامنے دنیا سے چلا گیا جس کا پرسہ دینے کے لیے راوی گاوں کا سفر اختیار کرتا ہے اور کہانی کے زیر و بم سے معنی و مفاہیم کے ساتھ کردار کی داخلی نفسیاتی کیفیات کو کھولتا ہے۔ اس افسانے کا مرکزی کردار ،، حضرت صاحب،، جن کا جوان بیٹا جو بخار کی وجہ سے چند دنوں میں ہی راہی ملک عدم ہوا۔ جس کا نہ کوئی وارث نہ کوئی معتقد اور روحانی وارث تھا۔ غلام علی (راوی کا دوست) جو حضرت صاحب کا عقیدت مند ہے، تعلیم کے حصول کے لیے ولایت جا بسا۔ مگر دل سے اپنی زمین کے رشتے جدا نہ کر سکا۔ غلام علی نے چونکہ حضرت صاحب سے تعزیت کی ذمہ داری راوی کو سونپی تاکہ اس کی طرف سے اس غم کے موقع پر تعزیت کی حاضری پوری ہو سکے۔ اشفاق احمد مٹی سے جڑے رشتوں کو درد مندی دکھ اور احساس میں ایک دوسرے سے وابستہ کرتے ہیں۔ خوشیوں میں سانجھا پن نبھانے کے ساتھ غم والم میں بھی تنہا نہیں چھوڑتے اور پھر فنی حوالے سے افسانے کی تکنیک پر

GUMAN گمان
VOL 7, ISSUE 3, 2024
E(ISSN) 2709-4162, P(ISSN) 2709-4154
https://guman.com.pk/index.php/GUMAN

بھرپور نگاہ رکھتے ہیں۔اس افسانے میں کردار نگاری، منظر نگاری ہو یا مکالمہ ، کہانی کے پلاٹ کی فضا پر جزئیات نگاری سے توجہ مرکوز رکھتے ہیں۔ جب پیر صاحب کے آستانے پر حاضری دیتے وقت کا منظر یوں بیان کرتے ہیں:

،،حقے والا جنا میرے لئے پانی کا گڑوا اور چھنالے کر آگیا اور کہن لگا،، میں اندر ارزداشت اپڑادئی ہے۔آپ سرکار ارمان تے بیٹھو۔بلاوا آگیا تو میں جناب کوں بلا کے حضور کو پیش کر دیاں گا۔،،۔14

گاوں کے لوگ عجز اور انکساری کی علامت اور خدمت گاری کی خالص تصویر ہوتے ہیں۔اور اس کا صاف شفاف منظر گاوں کے محنت کشوں میں مہمان نوازی میں ظاہر ہوا۔جب حضرت صاحب کے ذاتی خدمت گار نے عاجزی سے کہا:

،،اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا،، ناں سائیں ناں۔ایہہ گل ناں کرو۔ایہہ سچے سائیں کا ڈیرا ہے سجن سائیں کے ڈیرے تے کا ھلاتا ولا ہون کی لوڑ نئیں، سب کام آپے آپ ہو جاتے ہیں، کیے بغیر، بولے بغیر، گھابرے بغیر۔،،۔15

اشفاق احمد کردار تراشتے ہوئے تہذیب، ثقافت کی روایتوں کے ساتھ فرد کی داخلی کیفیت آشکار کرتے ہیں۔ کہ قاری افسانوی کردار کی اندرون تہہ تک اتر جاتے ہیں ۔افسانے میں پیر صاحب کا المیہ سامنے آتا ہے۔ بڑھاپے کی عمر میں جوان بیٹے کی موت کا صدمہ سہتے ہیں۔اور اپنے بیٹے کی خصوصی روحانی صفات اور پھر دنیاداری کی طرف پلٹ آنے کی عمر کا فرق بڑے خوبصورت تجزیے کے بعد بیان کرنے میں کمال مہارت رکھتے ہیں۔

،،شاہ صاحب نے اپنی آنکھوں کے پانی کو موٹی سی چدر سے پونچھا اور کہنے لگے:،، نصیر شاہ میرا ایک ہی بیٹا تھا۔ اور دنیاداری ناتے میرا سب کچھ وہی تھا۔ بڑا صبر کر یا بڑی توجہ تلا کری پر جو اس کا حکم۔ منظور! حکم تو منظور پر منظوری کو منظوری نئیں ملی۔ کمزوری نئیں جاتی۔بیٹے کی موت باپ سے پہلے یہ غم جیتے جی والدین کی کمر توڑ کر رکھ دیتا ہے۔اور حکم الہی سے کون منہ موڑ سکتا ہے۔ مگر جگر گوشے سے جدائی کا غم گہرا ہوتا جو صبر کی حدیں پھلانگ جاتا ہے۔،،دیکھوں ناں جی کدو کو بھی کدو کی ول سے توڑیں تو ڈنڈی سے پانی کی بوند نکل آتی ہے۔بندا کیا کرے!،،۔16

اشفاق احمد ایک غم زدہ باپ کی ارداس اور دکھ کی آواز دل سے محسوس کرواتے ہیں۔ جس کی ٹیس سب محسوس کر سکیں۔اس دوران ایک مندرا منڈا(لڑکا) ایک سنگ مرمر کا کتبہ لکھوا کر لے آتا ہے۔اور پیر صاحب کہتے ہیں۔،، سجن سہیلے شہروں آئے ہیں، ایناں کی رائے بھی لے لیے۔ کیوں جی۔،،۶۲ سنگ مرمر کی سل پر فوت شدہ پیر نصیر الدین شاہ کا نام کھدا تھا۔اس کے نیچے ایک سطر میں تاریخ پیدائش ۱۸۹۳ اور تاریخ وفات ۱۹۵۲ لکھی۔ خطوط وحدانی میں عمر دو برس درج تھی۔اور نیچے شعر درج تھا۔

پھول تو دو دن بہار جان فزا دکھلا گئے

حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے۔۔17

انہوں نے دونوں اکھیاں بند کر کے کیا،،ایہہ عمر بھی میں نے نکال کے دی اے اور ایہہ شعر بھی میں ای لخوایا اے۔آپ صرف ایہہ دیکھو کہ لکھائی صفائی ٹھیک اے کہ نئیں خوشخطی صحیح۔

GUMAN گمان
VOL 7, ISSUE 3, 2024
E(ISSN) 2709-4162, P(ISSN) 2709-4154
https://guman.com.pk/index.php/GUMAN

،،پیر صاحب نے اپنے بیٹے کے بارے مزید بتایا کہ میرا بر خوردار نصیرالدین نے دو برس کی عمر بعد ہی لفظ اور پورے پورے فقرے بولنا شروع کر دیا تھا۔،،سب کوں حیران کر دتا۔اودا سوہنا کلام تے سوہنی گفتار، جو بھی اس کیاں باتاں سن دا، خوش ہوندا۔۔۔۔۔۔۔۔۔اڑیاں کر داضدی خود غرض، خود پسند ہو کے رہ گیا۔ حق سچ کوں چھڈ کے چیزاں دستاں کیاں محبتاں مان نبھیا گیا۔اس فقیری ڈیرے بدولت سرکار دربارے مل بند ھن کر لیا۔ جائداداں بنانیاں شروع کر دئیاں۔ مخلوق خدا کنوں ڈھو کے صرف اپنی سیوا کرن لگ گیا۔ ساری عمر ایونیوں ای اکارت گئی۔ نصیرالدین شاہ ہوراں کی عمر دو سال ای بنتی اے،،۔18

حضرت پیر صاحب کا کردار اس افسانے کا بڑا مضبوط ستون ہے جو حقائق کشف و کرامات کی خوبیاں گنوا کر عمر کا حساب لگا دیا۔اشفاق احمد پیر صاحب کے کردار میں کہانی کا معنی و مفہوم درویشانہ شان اور متصوفانہ فکر میں سمو کر کہانی کو موضوع با معنی بنا دیا ہے۔اس فن میں ان کا کوئی ثانی نہیں۔

کالا بدل (پھلکاری)

افسانے میں اشفاق احمد نے راٹھیاں کے ایک قلندر کے بارے میں کہانی کا آغاز کیا ہے۔جو دھول پور سے راٹھیاں آباد ہوا۔افسانے کا اسلوب خالص دیہی انداز میں وہاں کی تہزیب، رہن سہن، بود و باش کا عکاس ہے۔یہ اشفاق احمد کی اہم صفت ہے کہ کہانی کے ساتھ قاری کی تفہیم اور انسیت پیدا کرنے کے لئے کہانی میں کردار کا روپ دھار کر زبان ،جملوں، الفاظ سے علاقائی تہزیب و ثقافت کو شوخ کر دیتے ہیں۔ مثلا تھاں، اپڑتے، وستر کپڑے، ھور ڈھنگ، سوانی جیسے الفاظ راٹھیاں کی علاقائی زبان کی نمایاں علامت ہیں۔ موجو اور اس کی بیوی ٹھمکی اپنے کالے سیاہ لمبے بالوں والے صحت مند،،ریچھ،،کے ساتھ ہنسی خوشی بسر کرتے تھے۔۔اس کا نام،،کالا بدل،،اشفاق احمد نے اس کے کالے دھت سیاہ رنگ کی وجہ سے رکھا۔وہ علامت کو بروقت کردار کی شناخت کا ذریعہ بنانے کے ماہر ہیں اسی ریچھ کے نام پر افسانے کا عنوان،،کالا بدل،،رکھا گیا ہے۔جس کا تعارف مصنف ان الفاظ میں کرواتے ہیں۔

،،موجو اور ٹھمکی کے نال جو کالا رچھ تھا وہ ضرور ویسا ہی تھا۔جیسے ساری دنیا کے رچھ ہوتے ہیں۔لمبے لمبے بال، بھارا بھارا وجود پہلے سجے پاسے کے دونوں قدم ایک ساتھ چلتے ہیں۔پھر کھبے پاسے کے سینے کے اوپر دھولے بالوں کنٹھا، مستک پر چھوٹے بال۔ گردن پر گچھے دار پٹے اور پیٹ کے نیچے چھوٹی چھوٹی لوئیں۔ تھوتھنی پر چمڑے کی کنی، ناک میں پیتل کا کڑا، چھوٹے پیر، گندے مڑے نوہنہ، مہاجنی چوتڑ، اور منہ میں بھی دانے کا ہر وقتی تھوک، رسی موجو کے ہتھ ہوتی پر اشارہ وہ ٹھمکی کو دیکھتا۔جدھر سین مارتی ادھر کا ہو جاتا۔،،۔19

اشفاق احمد مرکزی کردار کی تشکیل و پرداخت گہرے مشاہدے اور تجربے کی بنیاد پر کرتے ہیں۔وہ انسانی ذہن اور نفسیات کے ساتھ اپنے افسانے کے تمام جانداروں کی زمین پر بتائی گئی، زندگی اعادات واطوار اور مشاغل پر گہری نظر رکھتے ہیں۔یہ ان کے بیان اور اسلوب کی نمایاں خوبی ہے۔اس افسانے میں موجو کی ریچھ تماشا کے دوران کی جانے والی گفتگو قابل غور ہے۔جو پیٹ پوجا کے لیے اللہ کی مخلوق کو گلی گلی، گاوں گھوٹ میں نچانچا کر رزق تلاش کرتا ہے۔ مگر ساتھ من کا خوف، آدم خور جانور کا ڈر بھی ابھرتا ہے جو فطری ہے ۔مصنف نے اسے یوں لکھا ہے:

GUMAN گمان
VOL 7, ISSUE 3, 2024
E(ISSN) 2709-4162, P(ISSN) 2709-4154
https://guman.com.pk/index.php/GUMAN

،،موجوڈگڈگی کھڑکا کے کہتا: لووجی مہروانو،دوردانو! ایدھر ریچھ کا تماشادیکھو!ایدھر قلندر کی وارتا سنو، شیراں کے وزیر کونتھ پا کے نچانا جنے کنے کادل پر چانا کوئی سکھلا کام نیئں۔ایک سانہہ اندر،اک باہر،موت مرن کادھڑکا،سٹ پھٹ کاخطرہ،جنگل بیلے کاوزیر ماس خورنالے کیز خور۔ہر وقت کا سہم،ہر وقت کا جگراتا سرتے کال کا چکر،دل وچ موت کابھو۔فقیرافقیری دور،موت نیزے ہر وقت کنا چور،اللہ نبی کاواسطہ،اللہ نبی کارحم۔،،۔20

موجو جس جانور کو لئے لئے بستی گھوٹ گاوں گھوم کر تماشا کرتااور بچوں بڑوں سے آنا، ٹکہ ،روپیہ اکٹھا کر کے اور سب سے دلچسپ کالا بدل اور ٹھمکی کی لڑائی اور اکھاڑ پچھاڑ ہوتی جو ایک مصنوعی کھیل کی طرح اپنائی جاتی اور بالآخر ٹھمکی تھک کر کالا بدل کی پیٹھ سے چپک جاتی اور اسے ڈھیر کرنے میں کامیاب ہو جاتی۔اس کہانی میں پالتو جانور کی اپنے مالکوں سے وفااور نڈر ٹھمکی جو اس بے زبان خون خوار مار خور کو پیار کے لمس سے آشنا کرتی ہے لوگوں کے سامنے مالک موجو کے اشارے پر رقص کرنااور پھر اپنے ساتھ لڑنا اکھاڑ پچھاڑ کرنا سکھلاتی ہے جیسے کوئی ماں اپنے بچے کو چلنا، بولنااور رد عمل کرنا سکھاتی ہے۔ ٹھمکی کا کردار افسانے کا مضبوط نسوانی کردار ہے جو اپنے پالتو ریچھ ،،کالا بدل،، کی دیکھ بھال، روٹی ٹکر، نہلانا، ٹہلانااور دیگر ضروریات کا خیال رکھتی اور موجو کی تاکید کے باوجود اس کے ساتھ چپک کر پیٹھ سہلاتی، کھجلاتی ہے۔اور کالا بدل اپنی مالکن ٹھمکی کے ساتھ لاڈ کرتا ہے اس کی آواز پر رکنااور چلنا جیسے اس نے ان دونوں میاں بیوی کو روٹی دینے کی ذمہ داری اپنے سر لے لی ہو۔ قدرت کا حق کا نظام ہی الگ ہے۔ انسان کی پہچان ان ڈھور ڈنگروں کے لئے کبھی ڈر شکاری کے خوف کی طرح اور کبھی مانوس، مائی باپو کی قربت کا باعث بن جاتی ہے۔ سادہ اسلوب میں داستان کہنے کا فن اشفاق احمد کی فطری صلاحیتوں کی خوبی بن کر ابھرتا ہے۔ جو انسانوں کا جانوروں سے سگا رشتہ جوڑ دیتے ہیں وہ جیکی کتا ہو یا کالا بدل ریچھ مانوس کردار بن جاتے ہیں۔اور اسی طرح شدید سردی میں گندم کی فصل پکنے کے لیے تیار ہو رہی تھی نسری کھڑی تھی کہ کالا بدل بیمار ہوااور کچھ عرصے میں مر چلا، اس کی جدائی میں اس کی مالکن ٹھمکی تو جیسے ہوش گنوا بیٹھی اس کی لاش نہر کنارے لئے روتی رہی صدمے سے دوچار ٹھمکی جیسے اپنا،،جوان بچہ،، کھو چکی تھی۔ کالا بدل کی کھال سوکھنے لگی تو ایک دن اسے نہر کے پانی سے دھویا پھر اسے ،،لون بھرک،، کے گول کیا، گھٹھری باندھی اور اپنے پالنہار ریچھ کی کھال کو لے کر اجنبی راہ چل پڑی۔ موجو کو کالا بدل کی جدائی کا دکھ تو تھا پر اس سے زیادہ اپنی گھر والی کی گمشدگی کا ارمان پاگل کر گیا۔اب وہ گلی گلی بے آسرا ڈکے تنکے چگتا رہتا اور اشفاق احمد نے آخر میں کہانی ان الفاظ پر ختم کی کہ

،، کٹھی کمائی نہ رہے تو بندے نے ٹھور ٹھور ٹھاں ٹھاں جا کے تیلے تنکے ای چگنے ایں کہ پر موجو اپنے ریچھ کی یاد نیئں کرنا ان باٹوں کو تکتا رہتا ہے، جدھر سے ٹھمکی آ سکتی ہے۔،،۔21

زندگی کے نشیب و فراز اور غیربت کی لکیر کہاں اپنا رستہ بدلتی ہے اس کا پتہ انسان کی قسمت اور حالات کے سر ہے۔اس افسانے میں ٹھمکی کا کردار زیادہ مضبوط ہے جو جان جوکھم مُن دال کر کالا بدل کو سدھاتی ہے۔اور پھر اس کے مرنے کے بعد بھی غم سینے سے لگائے نکل کھڑی ہوتی ہے۔اور ضمنی کردار کالا بدل ریچھ ایک سچی وفادار اور محبت کی علامت ہے۔

داؤ،(پھلکاری)،اشفاق احمد کے اس افسانے کا مرکزی کردار گاوں کا غریب بھٹیارا کماں ہے جو اپنی گذر بسر کو بہتر کرنے کے لئے انٹیوں کے بھٹے پر انٹیں پکانے کا کام کرتا ہے اور اپنی کمائی کو جوئے سے بڑھانے کی کوشش میں لگا رہتا ہے اور وہ بوڑھی ،،تائی،، جو سب ضرورت مندوں کی مدد کرتی ہے اسے ہمیشہ کہتی ہے کہ چھوڑ یہ دنیا کے چھوٹے چھوٹے داؤ بڑا داؤ

GUMAN
گمان
VOL 7, ISSUE 3, 2024
E(ISSN) 2709-4162, P(ISSN) 2709-4154
https://guman.com.pk/index.php/GUMAN

لگااور بڑی ذات والے سے بڑاداؤ کھیل اور جنت میں کوٹھا، محل بنا۔ کماں بہت خوبصورت سادہ اسلوب میں لکھی مقصدی اصلاحی کہانی کرداروں کی پہچان کے توسط سے انکشاف تک پہنچتی ہے۔ کہانی ایک ایسی تنہاادھیڑ عمر عورت کی ہے جو نیکی اور پن کمانے کی لذت سے آشنا ہو چکی ہے اور اپنی محنت مشقت سے کمائی روزی میں ضرورت مندوں کی بھوک کا حصہ ضرور نکالتی ہے اس کے در سے کوئی خالی ہاتھ نہ لوٹتا تھا۔افسانے کا مرکزی کردار،،تائی،، فرشتہ صفت نیک روح تھی جس کی اصل کوئی نی جانتا تھا کون ہے؟ کہاں سے آئی؟ کل ذات اپنے دم کے ساتھ جی رہی تھی مگر گاوں بھر کی دادرسی کرنا فرض اور خوشی سمجھتی تھی اس کا،،تائی بنت نگینہ،، درج تھا۔ کہانی کا آغاز بیانیہ ہے۔ سادہ سا پلاٹ ہے جس میں مصنف درویشی اور خدا خلقی کا رنگ ابھار دیتے ہیں۔

،،مسجد کے نال کچے کوٹھے میں وہ سوئی دھاگہ لے کر سارا دن

کرتے سیا کرتی۔

شام کو شہر سے محمد دین درزی سائیکل پر سوار آتا، کرتہ لے

جاتا اور چھ آنے دے

جاتا۔ خیراں نائین کے گھر سے دونوں وقت تائی کو دو آنے کی روٹی

پہنچ جاتی اور باقی

کے چار آنے وہ اللہ کی راہ میں خیرات کر دیتی۔،،۔22

اشفاق احمد ایسے سخی کردار کی صفات کئی افسانوں میں مثالی طور پر پیش کر چکے ہیں۔ جیسے داؤ جی، گڈریا، پی اور دیگر بے شمار کرداری نمونے انسانیت پرستی ان کا خاصا ہے جس کے لئے وہ ایسے کرداروں کا استعمال کرتے ہیں۔تائی بھی گاوں کے بچوں میں بتاشے بانٹنے سے لے کر مسجد کے چراغ میں تیل ڈالنے، غریب بچیوں کے شادی بیاہ کروانے اور دکھ تکلیف میں ضرورت مندوں کی امداد اپنا فرض سمجھتی تھی۔،،عبدو،، کی تعلیم کا خرچہ اپنے ذمہ لیا۔ مثلاً ملا اسماعیل مسجد کے لیے جب بھی چندہ مانگتا:

،،کسی کسی دن ملا اسماعیل داڑھی کو مہندی لگا کر اور دھوئے

کھدر کی پگڑی باندھ

کر تائی کے پاس آتا اور کہتا تائی شہر چلا ہوں۔ مسجد میں لوٹا ہے نہ مسواک۔ آج چونی

اللہ کے گھر کے لئے بھی نکال دے تو تو مسجد کو بھول ہی گئی ہے۔ تائی دوپٹے

کی گرہ کھولتے ہوئے کہتی صدقے صدقے جاوں اللہ رسول ﷺ کے گھر پر چونی

کیا میری تو جان بھی قربان۔،،۔23

گاوں کے سادہ فطرت لوگ مذہب اور اللہ رسول ﷺ کے نام صدقات خیرات کے نام پر اکثر دھوکہ بھی کھاتے مگر سوالی کو اس معاملے میں انکار کرنا گناہ سمجھتے اس افسانے کا ایک متحرک ضمنی کردار،،کماں،، جو ایک جواری تھا۔اور ٹھیکدار کے آوے پر اینٹیں پکاتا کرتا تھا۔ وہیں بیوی بچوں کے ساتھ رہتا ہے کبھی عید شبرات نیا کرتہ دیکھا، پرانی دھوتی زیب تن کی مگر پھر بھی ہر مہینے جوئے میں کمائی کا زیادہ حصہ ہار جاتا۔ گھر کا سامان،،رحمے،، قصائی کے پاس رہن رکھ دیتا۔۔۔۔ کبھی داؤ سیدھا پڑتا تو سب واپس نہیں تو کنگال بے حال۔اشفاق احمد نے فن افسانہ نگاری میں کرداری تشکیل کے نئے انداز متعارف کروائے ہیں ایک نئی تاریخ رقم کر دی ہے۔

GUMAN
گمان
VOL 7, ISSUE 3, 2024
E(ISSN) 2709-4162, P(ISSN) 2709-4154
https://guman.com.pk/index.php/GUMAN

لیکھا(توبہ)افسانہ توبہ کا مرکزی کردار،، لیکھا،، جو اعجاز نامی نوجوان کی محبت میں گرفتار ہے اور لیکھا اپنے عاشق کی سگریٹ نوشی کی بری عادت کو سخت ناپسند کرتی ہے اور توبہ کروا کے یہ بری عادت ترک کروانا چاہتی ہے۔ عموما ایک ماہر افسانہ نگار ایسے کردار تخلیق کر کے اپنے افکار و خیالات، اخلاقیات مبت صفات، اعادات و اطوار مشاہدات و تجربات کے ساتھ مثبت تاثر قائم کرتا ہے۔ اشفاق احمد نے لیکھا کے کردار کی تزئین و آرائش میں مہارت اور فنی خوبیوں کا خاص کیال رکھا ہے۔ عام سادہ گھریلو زندگی بسر کرنے والی لڑکی کو اس قدر جاندار کردار کے طور پر پیش کیا ہے کہ اس سادہ لڑکی میں مشرقی نسوانی حسن بھرپور ابھرتا ہے جو اچھائی برائی کی اقدار کا مضبوط تصور رکھتی ہے۔ جو خود میں مبوب انسان کی برائیوں کو بدل ڈالنے کا حوصلہ رکھتی ہے۔ معاشرتی زندگی میں چھوٹی چھوٹی خرابیوں اور برائیوں کو غیر محسوس انداز میں ترک کروانا ایک قابل قدر کارنامہ ہوتا ہے اور یہ حوصلہ لیکھا،، کے کردار کی بنیادی خوبی کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ اشفاق احمد محبت کے ایقان اور خلوص کو ماننے والے مسنف ہیں اور اس کردار کی باطنی پاکیزگی، نیک فطرتی کا موئثر انداز میں سامنے لاتے ہیں۔،، لیکھا،، ایک معصوم اور خوش خلق نرم خو لڑکی ہے جس کی ادا حسن کی قید میں اعجاز غرق ہو گیا ہے۔ تعارفی ذکر مین لکھتے ہیں:

"وہ دلہنوں کی سہیلی تھی، میں کئی چھٹیوں میں خالہ

کے ہاں آیا کرتا تھا۔ یہیں سے اسے جاننے لگا تھا

اس لمبا قد تھا۔ رنگ سانولا، ناک ستواں، اور نیم

لمبی لمبی پلکیں بند ہوتیں چھوئی موئی کی طرح

اتنی پیاری کہ چھو لینے کو جی چاہتا۔،،۔24

اس کردار سے کہانی کا اہم عنصر بڑی روانی آگے بڑھتا جاتا ہے۔ اس کے حرکات و سکنات اور اعمال و افعال کے ذریعے لیکھا کی کرداری اچھائیاں نمایاں کی گئی ہیں۔ اس حسن مزاج گہرا اور انسانی حقائق کے قریب تر دکھائی دیتا ہے۔ مثلا جب وہ اعجاز کو یہ احساس دلاتی ہے۔

ایک چھوٹا سا کش کھینچ کر اس نے کلے پھلائے اور پھر

فورا سانس چھوڑ دیا۔ ذرا سی دیر مجھ کو دیکھا۔

پھر ایک اور کش لیا اور ذرا جھک کر سارا دھواں میرے

منہ مین دھکیل دیا۔ شاید ایک دفعہ پھر ایسے ہی ہوتا

مگر نکاح کے چھوہارے اوپر اچھل اچھل کر شامیانے

کی چھت سے ٹکرائے۔ مبارک باد کی صدا بلند ہوئی۔

باجا زور سے بجا۔ وہ سٹپٹائی جلتا ہوا سگریٹ تپائی

پر پھینک کر برآمدے میں بھاگ گئی۔،،۔25

انسانی فطرت کی ایک صفت ہے کہ اپنی خامیوں اور کمزوریوں کو نظر انداز کئے رکھتی ہے مگر یہی خرابیاں جب کسی محب کے اندر دیکھے تو روح تڑپ جاتی ہے احساس کی کیفیات فورا بدل جاتی ہیں لیکھا کی کرداری سچائی اس کیفیت سے سامنے آتی ہے کہ وہ ہوشیاری سے اعجاز کو اس احساس قریب لاتی ہے یہی لیکھا کے کردار کی نمایاں انفرادیت ہے جو اسے یقینا کامیاب کرتی ہے۔

GUMAN گمان
VOL 7, ISSUE 3, 2024
E(ISSN) 2709-4162, P(ISSN) 2709-4154
https://guman.com.pk/index.php/GUMAN

نانی اماں (فہیم) فہیم افسانے کی کہانی ایک اہم داستان گو کردار نانی اماں کے گرد تشکیل کے مرحلے سے گزرتی ہے۔ بچوں کو لوریاں سناتے ہوئے اور گھر مین بڑے بوڑھوں کے قصے، واقعات نانی نانا دادا دادی نصیحت پذیری کے انداز میں قصے حکایات روایات اور خوبصورت ماضی کو دہرایا جاتا ہے۔ اس افسانے میں نانی اماں کے کردار کو ایک مثالی کردار کے طور پر نکھارا گیا ہے۔ اشفاق احمد کی کردار نگاری کی منفرد خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے کرداروں کو مٹی کی محبت میں گوندھ کر اپنی جڑوں کے قریب تر کر دیتے ہیں اسی سبب سے ان کے سب کردار اپنی منفی اور مثبت خوبیوں کے ساتھ قاری کی نظر کا تارا بنے رہتے ہیں اور امر ہو جاتے ہیں۔ اس کردار کے ساتھ مصنف نے جہاں معاشرتی اور سماجی مسائل کو نمایاں کیا ہے وہیں اہم ذمہ داری اخلاقی اور مذہبی تربیت کی بھی ہے اس پر گرفت مضبوط رکھتے ہیں۔ اور حقیقت یہی ہے اشفاق احمد نے اپنی تحریروں میں اصلاح اور فلاح کا مقصد ہی بنیاد بنایا ہے: نانی اماں یوں مخاطب ہیں۔

"بھائی تم میرے ساتھ سو جاو۔ پروین نے سلیم کو مشورہ دیا۔ نا تیرے ساتھ کیوں سوئے؟ نانی اماں چمک کر بولیں۔ بھائی بھائی جھگڑا ہی کرتے ہیں۔ تمہارے نانا اور اس کے بھائی ایک دوسرے سے عمر بھر جھگڑتے ہی تو رہے۔۔،،۔26

نانی اماں کا کردار اصلاحی حوالے سے ایک اہم کردار بن کر ابھرتا ہے۔ اشفاق احمد ایک اہم سماجی مسلہ کی طرف مائل کرتے ہیں کہ مشرقی معاشرے میں جوائینٹ فیملی سسٹم ایک یونٹ کی پہچان رکھتا ہے۔ ماں باپ تمام اولاد کے ہمراہ مل جل کر رہنے کو اہم سمجھتے ہیں تمام بہوئیں ایک جیسے پس منظر کی حامل نہیں ہوتیں بس نانی کمزور خاندانی پس منظر رکھنے والی عورتوں اور کم آمدنی والے مردوں کا احوال بتاتی ہیں۔

،،خدا بخشے میری ساس ذرا سخت طبعیت کی تھی۔ گھر کا سارا کام کاج مجھے ہی کرنا پڑتا۔ باقی سب بہوؤں کے گھر والے تو ساتھ رہتے تھے۔ ذرا سی بھی تنگی ترشی ہوتی ٹسوے بہاتیں۔ انسے جالگا تیں۔ مجھ بیچاری کا کون تھا جس پر بھول بیٹھتی۔ عمر بھر نوکر بن کر ان کی خدمت کی۔ دن بھر آٹا گوندھتے گوندھتے میری کلائی ٹیڑھی ہو گئی،،۔27

اس کہانی میں متوسط طبقے کی طرح اشفاق احمد نے اس طبقے کے بنیادی مسائل کا احاطہ کرنے کی بہترین کوشش کی ہے۔ اور اس کے ایک غریب اور مفلوک الحال طبقے کی بات کی جائے تو ان کی حالت بے حد تشویش ناک ہے۔ عموما غریب طبقے کے لوگوں کا رویہ برتاو روکھا اور بد اخلاق ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کی تربیت پہلے ہی سماج اور گھر کی درسگاہ میں ہوتی ہے اور اس کا اظہار ہم روزانہ معاشرتی مسائل کی صورت دیکھتے ہیں اور یہی ہماری معاشرتی طبقاتی تقسیم ہے جو معاشرے کو کئی حصوں میں بانٹ دیتی ہے۔ اسی کا اظہار ہر کہانی کے ہاں نمایاں ہوتا ہے۔

رینا (رات بیت رہی ہے)

رینا افسانے کا نسوانی مرکزی کردار ہے۔ یہ کردار ارشد کی محبوبہ کا ہے۔ ارشد ہندوستانی جوان امریکی فوج کے بحری بیڑے کے ساتھ جنگ میں مصروف ہے اس کے دیگر ساتھیوں میں پیٹر کورلوس شامل ہیں۔ وہ اپنی کو خط مُن ماضی کے اچھے دنوں کی یاد تازہ کرتا ہے رینا کی محبت نوجوان کو اعلی تعلیم اور پھر فوج میں بھرتی ہونے پر آمادہ کرتی ہے۔ وہ محبوبہ کو لکھتا ہے:

اب خود ہی تم نے مجھے اتنی دور بھیج دیا ہے۔ یہاں نہ تو کوئی تمہارے جیسا ہے نہ تمہارے دیس کا۔ انگریزی کھانے کھا کھا کر تنگ آگیا ہوں۔ اردو میں بات کیے تقریبا ڈیڑھ مہینہ بیت چکا ہے۔ اس افسانے میں نوجوان

GUMAN گمان
VOL 7, ISSUE 3, 2024
E(ISSN) 2709-4162, P(ISSN) 2709-4154
https://guman.com.pk/index.php/GUMAN

رینا کے الفت اور عشق میں سب کچھ قربان کرنے آمادہ رہتا ہے۔اور کر بھی دیتا ہے۔،، میں بالوں میں ٹیڑھی مانگ نکالتا تھا لیکن تم نے کہا مجھے درمیان میں پسند ہے۔میں نے کنگھی تمہارے آگے بڑھادی تو تم نے کہا مین خود نہیں نکالوں گی۔پھر میری مانگ خود بخود سیدھی نکلنے لگی۔28

اشفاق احمد کے ہاں محبت ایک نئے شدت و پاکیزہ انداز میں ملتی ہے نوجوان نے جب کنگھی اس کی طرف بڑھائی تو اس نے ہاتھ نہیں لگایا اور محبت کا مشرقی انداز اسے حسن اور تجاہل عارفانہ طا کرتا ہے رینا کا رتبہ قاری کے لیے اور بڑھ جاتا ہے۔کیونکہ مصنف عورت کی محبت کے جذبے کی پیچیدگی و پاکیزگی کو ایک مضبوط علامت بنا کر پیش کرتے ہیں ۔عورت کی نفسیات پر معاشرتی ذمہ داریاں اور اخلاقی پابندیاں ہر ممکن اثر انداز ہوتیں ہیں حقیقتاً عورت کی فطرت کی ترتیب ہی کی مرہون منت ہوتی ہے۔رشتوں کا خلوص اور سچائی میں خیانت اس کی سرشت میں نہیں ہوتا۔وہ محبت کو مکمل ایمانداری سے پروان چڑھاتی ہے۔یہ کردار عورت کی خاصیت کے تناظر میں محبت کی طاقت کا استعارہ بن کر سامنے آیا ہے۔یہی کردار نوجوان کو پستی کی گہرائیوں سے نکال کر مثبت کے ساتھ انسانی عظمت کے درجے تک لے آتی ہے اس نوجوان کی فکری تضادات جو اسے خدا سے دور لے جاتے ہیں یا مختلف برائیوں میں مبتلا ہونے کا خدشہ دیکھ کر اس کی اصلاح کرتی ہے۔رینا کا کردار اپنی مثبت حکمت عملی کے لیے محبت، پیار اور نرم مزاجی اور کہیں کہیں دھمکی سے بھی کام لیتا ہے مجموعی طور یہ ایک منفرد مضبوط کردار ہے جو نوجوان کے کردار میں اعلی انسانی صفات کی تربیت اور ارتقا کا باعث بھی ہے۔

پمی(سنگ دل)

اس افسانے کا موضوع تقسیم ہند کے دوران اغواشدہ عورتوں کی بازیابی ہے۔ہندوستان سے پاکستان لانے کے لیے ایک فوجی مشرقی پنجاب کے ضلع لیاڑاں میں تعینات ہوتا ہے پمی اس افسانے کا وہ مرکزی کردار ہے جو ہے تو ایک ہندو لڑکی مگر رومانوی کردار کے ذریعے اشفاق احمد فلسفہ محبت کو مکمل کرتے لے جاتے ہیں۔کہ محبت ایک لازوال آفاقی جذبہ ہے جو رنگ نسل، مذہب اور جغرافیائی تفریق سے مبرا ہے۔اپنا الگ منفرد وجود رکھتی ہے اور اس مکمل حقیقت سے انکار کا جواز مشکل ہے۔پمی کا کردار بہت حسین ہے۔اس کی صفات رواداری، ہمدردی، دھیما لب و لہجہ کے توسط سے فسادات کی ہنگامہ خیز فضا کو بدلنا اہم عنصر ہے۔عورتوں کے اغوا کے لیے اس کردار کا نرم رویہ بے باکی افسانے کی بنیاد ہے۔پمی کے اس کردار کے حوالے سے منیر الدین احمد لکھتے ہیں:

،،افسانہ نگار پمی کے کردار کو بہت غیر محسوس طریقے سے آگے لاتا ہے۔وہ تو اس کو ہیروین بنانے کے لیے بھی تیار نہیں ہے۔اس لیے وہ اس کو کہانی میں مرکزی مقام نہیں دیتا ہے اور وہ بھی اس وقت جب افسانہ اختتام کو پہنچ چکا ہوتا ہے۔،،29

پمی پورے افسانے میں ایک بظور محبوبہ خود کو سامنے لاتی ہے۔مصنف کئی انداز سے اس کی شخصیت کے رخ ابھارتے ہیں۔اور بہترین انجام کے لیے وہ اپنا پیار ایک مظلوم مغوی لڑکی پر نثار کر دیتی ہے۔اور قارئین کے لیے ایک مثالی کردار ثابت ہوتی ہے۔حسنا اپنے محبوب کے کام خوش اسلوبی سے سرانجام دیتی ہے۔

،،ابھی سیفٹی ریزر میں بلیڈ لگایا ہی تھا کہ پمی کی آہٹ نے چونکا دیا۔لائیے مُن آپ کی شیو بناوں۔شیو؟ پر یہ تو بری مہارت کا کام ہے۔تم سے۔۔۔۔۔۔! مہارت نہ مہارت لائیے ریزر دیجئے اور وہ شیو بنانے لگی۔30۔،،

GUMAN
گمان
VOL 7, ISSUE 3, 2024
E(ISSN) 2709-4162, P(ISSN) 2709-4154
https://guman.com.pk/index.php/GUMAN

اشفاق احمد اس افسانے میں پمی کا کردار ایک بہادر اور جرات مند انسان کے طور پر سامنے لاتے ہیں جو زندگی کی ہر مشکل کا مردانہ وار مقابلہ کرتی ہے اور مسائل کے لیے ہار نہیں مانتی، وہ عام نازک مزاج اور کمزور مخلوق نہیں ہے۔ وہ اپنے چھوٹے بھائی کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دیتی ہے۔ وہ خود بہت نازک احساس بھی رکھتی ہے اور شاعری سے اظہار کرتی ہے۔

جو بات دل میں رہ گئی نشتر بنی حفیظ، جو لب پہ آگئی رسن و دار ہو گئی، پمی یہاں محبت، نرم دلی، اور انسان دوستی کو منفرد معنویت سے پہچان کرواتی ہے انسانیت کا بلند تصور ابھر کر سامنے آتا ہے۔ دکھ اور کرب کے ان مساعد حالات میں بھی مغوی لڑکی کے لیے جان کے تحفظ کی خوشی کی وجہ بن جاتی ہے۔ سجن سنگھ کے ظلم سے حسنا کو بچاتی ہے اور انسانیت کا حق ادا کرتی ہے۔

،، کسی نے آہستہ سے آکر میرا سر چھوا۔ میں چونکا پمی لبوں پر انگلی رکھے خاموش کھڑی تھی۔ مجھ پر جھک کر بولی۔ آج میری مدد کرو۔ میں بڑی بپتا میں ہوں۔ میں نے حیرت سے پوچھا کای بات ہے؟ اس نے سنجیدگی سے کہا۔ مجھے ایک لڑکی کے اغوا کرنے میں مدد دے سکتے ہو؟ اغوا۔۔۔؟ شی شی اس نے میرے ہونٹوں پہ انگلی رکھ دی۔،،۔31

اشفاق احمد نے پمی کے کردار کے ساتھ محبت کے محدود تصور کی بجائے لا محدود انسانی سرحدوں سے ماورا مقام دے دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دونوں اطراف سے شر پسند عناصر کے مظالم کے باوجود مسلمانوں اور ہندوؤں نے عام انسانوں کی مدد کی اور یہی انسانیت کی عظمت اور شان بھی ہے

بیٹرس (شب خون)

بیٹرس ایک نرس ہے جو ٹی بی کے مریضوں کی نگہداشت کرتی ہے جہاں شقو مرکزی کردار ہسپتال میں داخل ہوتا ہے بیٹرس ایک فعال کردار ہے کو فرض شناس اور مستعد خدمت گار کی حیثیت رکھتی ہے۔ فرض شناس نرس اور نرم دل خاتون ہے اور خود غرضی اور ذاتی مفاد سے بالکل مبرا ہے اشفاق احمد نے اسے عام نرس کے انداز میں تخلیق نہیں کیا بلکہ ایک ہمدرد مسیحا ہے اور اپنا منفرد زاویہ نظر رکھتی ہے۔ مریضوں کے ساتھ انتہائی مشفقانہ طرز عمل رکتی ہے۔ ڈاکٹروں اور اپنوں کے رویے کی وجہ سے زندگی سے مایوس مریضوں میں زندگی کی امید جگاتی ہے ان کی تعریف و توصیف سے جینے کا حوصلہ ملتا ہے۔ بیٹرس ان الفاظ میں اپنائیت کا اظہار کیا:

،، تمہارے نتھنے بڑے خوبصورت ہیں۔ بیٹرس نے شقو کی ناک کو چھو کر کہا۔ ہاں اچھے تھے پر اب نہیں۔ اب کیوں نہیں۔ دیکھو جب تم سانس لیتے ہو تو یہ نوزائیدہ بچے کی ہتھیلیوں کی طرح گلابی ہو جاتے ہیں۔،،32

یہ محبت ایثار و قربانی کا جذبہ لیے ہوئے ہے جو کہ نسوانی وقار کی علامت اور اہم انسانی خوبی ہے۔ زندگی اور موت کے ہمراہ سفر افراد کے طبّی عملے کی کشمکش کو بیٹرس اپنی دانست میں کم کرتی ہے۔

،، شیو کرو گے؟ بیٹرس اندر داخل ہوئی۔ اوں ہوں۔ کیوں۔۔۔؟ دل نہیں چاہتا۔ بڑھی ہوئی شیو چہرے کی ہیبت کم کر دیتی ہے۔ پھر وہی بات،،،،،،! لیکن تمہارے چہرے پر ہیبت ہے ہی کہاں۔۔؟۔33

اس کردار کی خوبی ہے کہ وہ مریضوں کو زندگی کے مشکل ترین وقت میں مثبت سوچ سے جوڑتی ہے اور نئی امید کی ترغیب دیتی ہے یہ حقیقت تو واضح ہے کہ کردار تشکیل کرتے ہوئے اشفاق احمد غیر جانبدار رہتے ہیں اور کردار کو فطری روپ میں ہی سامنے لاتے ہیں۔ اس سے کوئی منفی حرکت سرزد نہیں ہونے دیتے جو محض سنسنی کو مد نظر رکھ کر تخلیق کیا

GUMAN گمان
VOL 7, ISSUE 3, 2024
E(ISSN) 2709-4162, P(ISSN) 2709-4154
https://guman.com.pk/index.php/GUMAN

جائے۔بیٹرس ایک ایسا کردار ہے جو مسیحائی کے پیشے میں اپنا الگ مقام رکھتی ہے اور ایک ہمدرد انسان کی حوالے سے بھی سامنے آتی ہے اس کے ساتھ وہ ایک عورت بھی ہے جو دل اور احساس بھی رکھتی ہے اور ہر رویہ کا رد عمل بھی ظاہر کرتی ہے۔ مگر وہ قنوطیت کا شکار نہیں بلکہ ایک پر امید کردار ہے۔

خجستہ (توتا کہانی)

خجستہ ،،توتا کہانی کا اہم رومانی کردار ہے۔ جسے افسانے میں مرکزیت حاصل ہے۔ یہ اپنے پڑوسی نوجوان سے یک طرفہ محبت میں مبتلا ہوتی ہے مگر اس کی محبت روایتی انداز سے الگ پاکیزہ اور معصوم ہے مشرقیت کی پاسداری اس کردار کی پہچان ہے اس کی محبت بظاہر یک طرفہ ہے مگر حامد کے احساسات بھی اسی کی عکاسی کرتے ہیں۔

"خجستہ سے میری ملاقات بس یونہی سرسری سی تھی۔ میں اپنے کوٹھے پر آنے کا اعلان شیلے کے اشعار سے

کیا کرتا اور وہ اپنی چھت پر آکر زور سے پکارتی۔ سارے کپڑے اتار لاوں امی۔۔۔؟"۔34

اس کردار کے ذریعے اشفاق احمد پرانے وقت میں ایک معصوم لڑکی کے جذبات اور سادگی کے تحت محبت کے لطیف جزبے کے ترجمانی کی ہے۔ جو روایتی انداز مین محبت کرنے میں مگن ہے اور دنیا و مافیا سے بالکل بے خبر ہے صرف محبت کی وادی میں گم ہے۔ اپنی محبت کا اظہار حدود اور اخلاق کے دائرے میں رہ کر کرتی ہے جس سے انسانیت کے مرتبے کی عزت و شان قائم رہے ایسے کردار زندگی میں حقیقت میں دکھائی دیتے ہیں۔ خجستہ اپنی زندگی عزت و عظمت کی داؤ پر لگا دیتی ہے۔ کیونکہ عورت کی پاکبازی اور عزت نفس ہی اہم چیز ہے اور حامد بھی اس کی خاطر عزت اور نام پر چھلانگ لگا دیتا ہے۔ جو اسے ایک عاشق کے کردار میں امر کر دیتا ہے۔

کلثوم (بندرابن کی کنج گلی میں

کلثوم افسانے کا بنیادی رومانی کردار ہے امیر والدین کی اکلوتی بیٹی جو ادب کی طالبہ ہے اسی یونیورسٹی میں نمدارا نامی سٹوڈینٹ بھی ہے کلثوم ایلیٹ کلاس اور طبقہ اشرافیہ کی مادی سوچ کی عکاس ہے۔ نفیس طبیعت اور لطیف جذبات کی حامل ہے۔ جسے ادب سے خاص لگاو ہے۔ مگر ایسی سوچ کو مادیت پرست خاندان میں قبولیت مشکل ملتی ہے۔ نمدارا کی ملاقات کلثوم سے مالٹے کے باغ رات کو مالٹے چوری کرتے ہوئے ہوتی ہے۔ اگلے ہی دن پرنسپل کے حکم پر شناخت پریڈ کے لیے مشتبہ افراد کو بلایا جاتا ہے۔

"میری باری آئی اور میں اندر داخل ہوا۔ مجھے دیکھ کر لڑکی کی آنکھیں خوشی سے ناچ اٹھیں میں نے نگاہوں ہی

نگاہوں میں ہاتھ باندھ کر کہا۔ مجھ پر رحم کرو۔ میں بھی تمہاری طرح ایک نادار آدمی ہوں اور اگر تم نے مجھے

پہچان لیا تو میری زندگی تباہ ہو جائے گی۔ لڑکی کے باپ نے پوچھا۔ یہی ہے وہ لڑکا۔۔۔؟ لڑکی نے ایک آنکھ میچ

کر اور پیشانی پر بہت سی شکنیں ڈال کر کہا۔ یہ تو نہیں۔ وہ پتلی جو گا تو لمبا پتلا سینک سلائی سا تھا۔،،۔35

اشفاق احمد اس کردار کے ذریعے سے اعلی طبقے کی نمائندہ لڑکی کی شخصیت اور کردار کا ظاہری اور باطنی ظاہر کرنا چاہتے ہیں جو ایک خاص پروٹوکول، نمائش زدہ طرز زندگی احساس برتری میں جی رہی ہے مگر ان کے دل مخصوص ماحول اور مزاج کے آئینہ دار بن جاتے ہیں۔ اسی طرح کلثوم کو مچھیرے نمدارا میں خلوص اور سچائی نظر آتی ہے مچھیروں کی بستی کی عورتیں کلثوم کو بہت متاثر کرتی ہیں۔ اور اس کی دوستی ہو جاتی ہے۔ اشفاق احمد اس کردار سے واضح کرتے ہیں کہ محنت کش مزدور عورتوں کی عزت بھی امیر عورتوں کی طرح ہوتی ہے انہیں پاکیزگی عزت اور محبت سے عاری نہیں سمجھنا چاہیے۔ معاشرے کے طبقاتی تقسیم کے تحت اصولوں کو نہیں مانا جا سکتا۔ یہ حقیقت سے دور ہیں۔

امی (توبہ)

GUMAN گمان
VOL 7, ISSUE 3, 2024
E(ISSN) 2709-4162, P(ISSN) 2709-4154
https://guman.com.pk/index.php/GUMAN

افسانے کے ضمنی کرداروں میں دو نسوانی کردار اہمیت کے حامل ہیں وہ مرکزی کردار اعجاز کی والدہ ماں کی مامتا کا جزبہ ہے جو لفظوں میں بیان نہین کیا جا سکتا۔ کہتے ہیں کہ خدا کی محبت کا خوبصورت روپ ماں کے روپ میں موجود ہے اشفاق احمد اس مُن وہی عظمت کا روپ دکھانا چاہتے ہیں اعجاز کی ماں بھی اپنے بچوں سے عام ماں کی طرح پیار کرتی ہے۔ اور اسے سگریٹ نوشی سے باز رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتی ہے۔ اسی لیے شرطیں وعدے لالچ قسمیں دباو اور ہر حربہ آزماتی ہے اس کی شدت اور بے چینی اپنے بیٹے کو بچانے کے لیے محرک بنتی ہے۔ اس افسانے کے حوالے سے ڈاکٹر سبینہ اعوان لکھتی ہیں:

"اشفاق احمد نے معاشرے کے جیتے جاگتے کرداروں کو افسانوں میں پیش کیا ہے۔ اشفاق احمد نے معاشرے میں اصلاح پسندی کو فروغ دیا۔ انہوں نے انسانی زندگی میں محبت کو اولیت دی۔ انہوں نے ایک خوشگوار سماجی زندگی کا تصور مختلف سماجی رشتوں سے قائم کیا۔ وہ ایک پر سکون اور پر امن گھریلو زندگی کو مقدم سمجھتے ہیں۔ انہوں نے محبت کے بل بوتے پر زندگی کے گوشوں کو روشن کیا۔ اس نوع کے افسانوں میں اجلے پھول، شب خون، امی، گڈریا اور بہت سے افسانے شامل ہیں۔،،۔36

امی کا کردار بہت محبت اور خلوص کو اشفاق احمد بہت عمدگی سے پیش کرتے ہیں۔ مشرقی عورت بھولی بھالی سیدھی ماں ہر بار بیٹے کے ہاتھوں دھوکہ کھا لیتی ہے۔ حالنکہ وہ جانتی ہے کہ بیٹا باز آنے والا نہیں ہے مگر ہر بار نئی امید سے کوشش کرتی ہے۔ اس افسانے میں اشفاق احمد بڑی مہارت سے ایسے کردار تخلیق کرتے ہیں۔ گرچہ یہ ہے ایک ضمنی کردار مگر بہت مضبوط جاندار کردار کی سامنے آتا ہے بحیثت انسان بشری صفات اور اچھائیاں جو انسان کی پہچان ہیں وہ دکھانا چاہتے ہیں۔ اشفاق احمد کو اس میں خاص مہارت ہے۔

پروین(فہیم)

ایک محبت سو افسانے میں اہم کردار نانی، جب فہیم اور اس کے بہن بھائیوں کو کہانی سناتی ہیں تو ان میں حقیقی زندگی کے قصے اور واقعات تجربات میں گوندھ کر داستان کر رنگ دیا گیا ہے۔ پروین، نسرین، فہیم کی دو بہنیں ہیں جن کا معاون کردار کہانی کو آگے بڑھانے میں مدد گار ثابت ہوتا ہے۔ یہ پر کشش ضمنی کردار ہے۔ بے یقینی کی سی کیفیت اس کردار کو انفرادیت بخشتی ہے۔ پروین کا پر تجسس لہجہ، روانی سے پوچھے گئے سوالات، سے کہانی کے پوشیدہ پہلو نمایاں کئے ہیں:

"یاد رکھو تم نے میری بہو اور معصوم بچی کو تنگ کیا ہے۔ معصوم بچی کون، نانی اماں؟ پروین نے پوچھا۔ اے تمہاری بڑی خالہ۔ بیٹی، نانی نے جواب دیا۔ وہ چھوٹی سے تھی۔ ابھی پاوں چلنا سیکھا تھا کی آنکھیں دکھنے لگیں۔"۔37

Sاشفاق احمد نے پروین کے کردار سے معصومیت اور پرندوں جانوروں سے ڈر خوف کو ابھارا ہے جو بچے کی فطرت کا حصہ ہوتا ہے مصنف نے سوال و جواب کے ذریعے نہایت لاجواب تصادم کی سی صورت پیدا کی ہے مزاج اور مرتبے کے مطابق پروین کے مکالمے اشفاق احمد کے مقام و مرتبے اور عظمت کی دلیل ہیں۔

وکھو وکھو(صبحانے فسانے)

اس افسانے میں اشفاق احمد نے نسوانی کردار ریحانہ سے محبت کے جذبے اور وارفتگی کو زندگی کی توانائی کے طور پر برتا ہے۔ محبت اور احساس کی اس معطر کیفیت کو منظر اور جزئیات کے ساتھ شخصیت کا تعارف کروایا ہے، گوشت بناتے ہوئے قصائی کی توجہ ریحانہ کے حسن بے مثال اور ادا پر رک گئی۔۔۔ مرکزی کردار ماضی کی بازیافت میں کرداروں کا تعلق فطری جذبے سے منسلک ہو گا۔

GUMAN گمان
VOL 7, ISSUE 3, 2024
E(ISSN) 2709-4162, P(ISSN) 2709-4154
https://guman.com.pk/index.php/GUMAN

،،ریحانہ جس قدر خوب صورت تھی،اسی قدر سادہ لوح اور احمق بھی تھی۔وہ ہنر مندی سے اور عقل مندی سے زندگی بسر کرنے کی اہل نہیں تھی۔وہ زندگی کو اپنے اوپر سے ایسے گزرنے دے رہی تھی، جیسے زندگی دانش سے یا علم سے یا عقل سے کوئی برتر اور فزوں تر چیز ہو اور اپنی مرضی سے گزرنے کے لئے بنی ہو! ریحانہ کے ساتھ میں،اس کی بات میں اس کے انداز میں،اس کے بدن میں کوئی ہنر نہ تھا۔دین سے اسے کوئی دلچسپی نہ تھی،دنیا کی اسے کوئی سمجھ نہیں تھی اور وہ بڑے یقین سے نہایت بے وقوفی کے ساتھ بے یقین اور بے اعتبار زندگی بسر کر رہی تھی۔،،۔38

اس کردار میں اشفاق احمد نے عورت کی حقیقی فطرت اور سادگی کو کہانی کے ربط اور اہمیت کو گہرائی سے بیان کیا ہے۔وہ جہاں مرد کرداروں کی سماجی حیثیت کو بہترین انداز سے سامنے لاتے ہیں عورت کے کردار میں بھی جذباتی اور نفسیاتی صفات کے دائرے کو پھیلا دیتے ہیں جس سے اس کو سمجھنے میں آسانی رہتی ہے۔

کہانی کے اگلے منظر جس طرح ریحانہ کے لازوال احساس کو اسکے جملے سے محبت کو امر کر دیا ہے۔

،،جب اسے مایوں بیٹھے دوسرا دن تھا تو میں اس کے کمرے میں پہنچ گیا۔اس کے بدن سے ہلدی، تیل، چنبیلی، حنا اور نافے کی خوشبو آرہی تھی۔ماتھے اور مانگ میں سیب،چندن، کتھے اور بٹھور کی ملی جلی مہک تھی۔ہم نے ایک دوسرے کو بڑی زور سے چوما اور پھر رک گئے۔میں اسکے سامنے اس کے دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھ کھڑا تھا اور اس نے میری دونوں کلائیاں بڑی مضبوطی سے تھام رکھی تھی۔اس کی امیا ندھیرے میں دیا سلائی جلاتی اچانک نمودار ہوئیں اور مجھے اس طرح کھڑے دیکھ کر بولیں،،اب کیا فائدہ۔۔۔۔۔۔اب کیا حاصل۔!،،میں گھبرا سا گیا،لیکن ریحانہ نے میری کلائیاں اس وقت بھی نہ چھوڑیں۔۔۔۔پھر میں اس کی امی کو ماچس دکھاتے دکھاتے کوٹھڑی سے باہر آگیا۔۔39

ایک افسانہ نگار کے لئے کردار کو مساوی حقوق کے پس منظر اس کی صفات کو سامنے لانا ضروری تو ہے ہی مگر اس کے ساتھ کردار کی فطرت اور اس کی سماجی معاشرتی خوبیاں اور برائیاں بھرپور طور نمایاں اہم ہے اور اس فن میں اشفاق احمد سے بڑا کوئی نہیں ہے۔اشفاق احمد کے ان تمام نمایاں کرداؤں کے لسانی اور تنقیدی جائزے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اشفاق احمد کے یہ نسوانی کردار عام انسانوں کی طرح گوشت پوست کے وجود رکھتے ہیں،احساس جذبے سے مل کر اپنا آپ منواتے ہیں۔اگر مجموعی طور پر اخلاقیات روایات، انسانیت اور مثبت انداز فکر کا رویہ پایا جائے تو ایسے کردار قاری کے لیے خاص کشش رکھتے ہیں۔اشفاق احمد نے ان کرداروں سے زندگی کے اہم پہلوؤں کا احاطہ کروانے کی کوشش کی ہے جو حقیقت سے جڑے ہیں۔یہ کردار عقل و دانش مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے معاشرے میں مثبت اصلاحی پہلو سے کوشش کرتے ہیں۔مختصر ایہ کہ ان کرداروں میں کہیں بھی مصنوعی انداز اور بناوٹ کا تاثر نظر نہیں آتا،اور اسی سے اشفاق احمد کی کمال فنی کاوشیں دنیائے ادب کے لیے مثال ہیں۔

حوالہ جات:

ا۔فرمان فتحپوری ڈاکٹر،اردو افسانہ اور افسانہ نگار ص 277 پبلشر۔۔۔۔۔۔

2۔انور سدید ڈاکٹر،ایک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا، مضمون، مشمولہ نواءے وقت ادبی ایڈیشن 10 ستمبر 2004

GUMAN
گمان
VOL 7, ISSUE 3, 2024
E(ISSN) 2709-4162, P(ISSN) 2709-4154
https://guman.com.pk/index.php/GUMAN

3۔اشفاق احمد،ایک محبت سوافسانے،سنگ میل پبلیشرز لاہور ص183،186

4۔اشفاق احمد،ایک محبت سوافسانے سنگ میل پبلیکیشنزلاہور،1998۔ص ۲۴۷

5۔۔سید وقار عظیم،اردوافسانے کی روایت اور تجزیے،مشمولہ،نقوش افسانہ نمبر دسمبر ۱۹۵۵،ص ۱۰۵۵

6۔اردو جامع اللغات۔ جلد چہارم۔ص ۹۸

E.M Foster Aspects of the novel 1964.p. 69۔7

8۔اشفاق احمد،ایک محبت سوافسانے،سنگ میل پبلیکیشنزلاہور ۲۰۱۰،ص ۳۵

9۔ایضا،ص ۳۶

10۔،ایضا،ص ۳۷

11۔ایضا،ص ۳۸

12۔ایضا،ص ۳۹

13۔ایضا،ص ۴۰

14۔ایضا،ص ۴۱

15۔ایضا،ص ۴۲

16۔ایضا،ص ۴۴

17۔ایضا،ص ۴۵

18۔ایضا،ص ۴۶

19۔ایضا،ص ۴۶

20۔شفاق احمد،پھلکاری،سنگ میل پبلیکشنزلاہور ۲۰۱۱،ص ۲۵

21۔ایضا،ص ۲۷

22۔ایضا،ص ۲۷

23۔ایضا،ص ۲۸

24۔ایضا،ص ۲۹

25۔ایضا،ص ۳۰

26۔اشفاق احمد،ایک محبت سوافسانے،سنگ میل پبلیکیشنز۲۰۱۰ص ۴

27۔ایضا،ص ۶

GUMAN
گمان
VOL 7, ISSUE 3, 2024
E(ISSN) 2709-4162, P(ISSN) 2709-4154
https://guman.com.pk/index.php/GUMAN

28۔ایضا،ص۷

29۔ایضا،ص۸

30۔ایضا،ص۱۰

31۔ایضا،ص۳۸

32۔ایضا،ص۴۲

33۔ایضا،ص۴۴

34۔ایضا،ص۵۴

35۔ایضا،ص۷۳

36۔ایضا،ص۷۵

37۔ایضا،ص۷۹

38۔ایضا،ص۵

39۔ایضا،ص۱۵

ملخص: الف لیلہ کو عربی زبان میں اتنی ہی مقبولیت حاصل ہے جتنی عالمی کلاسیک ادب میں ہومر کی رزمیہ نظموں کو۔اس قصے میں ایک جنسی ہوس کا شکار بادشاہ اور ایک ذہین قصہ گو لڑکی کی کہانی کو پیش کیا گیا ہے۔اس قصے میں یونانی، مصری، بابل کی داستانوں کی آمیزش نظر آتی ہے۔انتونی گلینڈ نامی فرانسیسی مستشرقین نے اس قصے کا ماخذ ڈھونڈ نکالا اور اس کا ترجمہ بھی فرانسیسی زبان میں کیا جس سے اس قصے کو عالمی سطح پر پذیرائی ملی۔انگریزی میں پہلے پہل اس کا ترجمہ ایڈورڈ ڈبلیو لین نے کیا، لیکن مستند ترجمہ رچرڈ برٹن کا مانا جاتا ہے ۔اردو میں اس کا مختلف مترجمین نے "الف لیلہ المعروف بہ ہزار داستان" کے نام سے کیا گیا۔اس قصے میں کچھ کردار افسانوی ہیں کچھ تاریخی۔اس قصے کے پیشِ نظر اس کو فلمایا بھی جا چکا ہے۔سب سے پہلی فلم "بغداد کا چور" بنی۔ہندوستان میں "حاتم طائی"، پاکستان میں "ہزار داستان" کے نام سے فلمیں منظر عام پر آئیں۔کچھ محققین کے پیشِ نظر یہ قصہ عربی کی بجائے کسی حد تک ہندی اور پھر ایران کے ادبی ورثے سے ماخوذ ہے۔

کلیدی الفاظ: الف لیلہ، عربی ادب، عالمی کلاسیک، مستشرقین، خصائص

الف لیلہ، تعارف و پس منظر:

الف لیلہ کا عربی ادب میں وہی مقام ہے جو عالمی ادب میں ہومر کی 'اوڈیسی' کا ہے۔اسے عربی کا کلاسیکی شاہکار کہا جاتا ہے۔اس کا پورا نام 'الف لیلۃ ولیلۃ' ہے۔عربی میں الف

GUMAN گمان
VOL 7, ISSUE 3, 2024
E(ISSN) 2709-4162, P(ISSN) 2709-4154
https://guman.com.pk/index.php/GUMAN

'ہزار کو کہتے ہیں اور لیلۃ 'رات کو۔یعنی ایک ہزار ایک راتیں۔یہ ایک ہزار ایک کہانیوں پر مشتمل داستان ہے۔اس لیے اسے ' ہزار داستان 'بھی کہا جاتا ہے۔اس کے اولین حصے کا تحریری عہد آٹھویں صدی عیسوی بتایا جاتا ہے۔جب عرب قصہ گوؤں نے اس کا آغاز کیا۔روایتاً بعد ازاں ترک، مصری اور ایرانی قصہ گوؤں نے اس میں اضافے کیے۔

قصے کا مختصر پس منظر یہ ہے کہ سمرقند کا بادشاہ شہریار اپنی ملکہ کی بے وفائی سے دل برداشتہ ہو کر عورت ذات سے ہی بد ظن ہو گیا۔اس نے دستور بنا لیا کہ ہر رات ایک باکرہ لڑکی سے شادی کرتا اور اگلے روز اس کا سر قلم کروا دیتا۔صورت حال یہ ہو گئی کہ لوگ اپنی بچیوں کو لے کر ریاست سے بھاگنے لگے اور بادشاہ کے لیے لڑکیاں کم پڑنے لگیں۔ بادشاہ کے لیے لڑکیوں کا انتظام وزیر کے ذمے تھا۔اس کی دو بیٹیاں شہرزاد اور دنیازاد تھیں۔اس کی پریشانی کو بھانپتے ہوئے شہرزاد ' بادشاہ سے شادی پہ راضی ہو گئی۔شادی کی پہلی رات اس نے بادشاہ کو قائل کر لیا کہ وہ اسے مرنے سے پہلے اسے ایک کہانی سنانا چاہے گی۔اس نے کہانی کہنا شروع کی، صبح ہوئی تو کہانی ایک دلچسپ موڑ پہ ختم ہوئی۔بادشاہ نے آگے کا پوچھا تو شہرزاد نے کہا کہ اگلا حصہ اگلی رات کو۔بادشاہ نے کہانی سننے کے لیے اسے قتل کرنے کا ارادہ مؤخر کر دیا۔یوں شہرزاد ہر رات اسے ایک دلچسپ کہانی میں مگن رکھتی۔یہاں تک کہ ایک ہزار ایک راتیں گزر گئیں۔اس دوران اس کے ہاں تین بچے بھی ہو گئے۔آخر میں بادشاہ کو اپنی ناانصافی کا احساس ہوتا ہے، اور وہ اسے قتل کرنے کا ارادہ مؤخر کر کے بچوں سمیت اپنا لیتا ہے۔اور سب ہنسی خوشی رہنے لگتے ہیں۔

یہ وہ پس منظر ہے جس سے ان قصوں کا خمیر اٹھا ہے۔کہا یہ جاتا ہے کہ الف لیلہ کی اکثر کہانیاں بابل، مصر اور یونان کی قدیم لوک داستانوں کو شامل کر کے لکھی گئیں۔ اس لیے اس میں مختلف خطوں کا کلاسیکی رچاؤ بھی ملتا ہے۔البتہ اس پر اتفاق پایا جاتا ہے کہ ان قصوں کا زمانہ آٹھویں صدی عیسوی کا ہے۔بعد ازاں اس میں اضافے بھی ہوتے رہے۔ اور ایک ہزار ایک کہانیاں مکمل ہونے کے بعد ہی اس کا نام ' الف لیلہ ولیلہ 'رکھا گیا۔

الف لیلہ کا ماخذ:

یہ دلچسپ امر ہے کہ مشرقی ادب کے اس شاہکار کی دریافت کا سہرا مغربی مستشرقین کے سر ہے۔اسے سب سے پہلے نامی فرانسیسی مستشرق نے اٹھارویں صدی میں ڈھونڈ نکالا۔انتونی گلینڈ مشرقی علوم میں Antonie Galland دلچسپی رکھتا تھا۔وہ خود بھی ایک زبردست قصہ گو تھا۔اسے سب سے پہلے ایک فرانسیسی کتب خانے سے سند باد کی کچھ حکایات ہاتھ آئیں۔اس نے جلد ہی ان کہانیوں کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ کر کے شائع کر دیا۔بعد ازاں اسے علم ہوا کہ سند باد کی یہ کہانیاں دراصل ' الف لیلہ 'نامی عربی حکایات سے ماخوذ ہیں۔جس کے بعد اس نے اس شاہکار کی تلاش شروع کی۔عربی ادب کے پارکھ اور ناقد محمد کاظم کے بقول،

"گلان کو حلب میں ایک ایسا شخص مل گیا جس کے پاس الف لیلہ کی چار جلدیں موجود تھیں۔گلان نے اس سے یہ چاروں جلدیں لے لیں اور ۱۷۰۴ میں ان کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ کرنا شروع کیا اور تیرہ سال کے عرصے میں اسے بارہ جلدوں میں تکمیل کو پہنچایا۔(۱)"

گو کہ یہ مکمل ترجمہ نہ تھا، مگر اس کے توسط سے پہلی بار اس عرب شاہکار کے لیے عالمی دنیا کے قاری کا دروازہ کھلا۔اور یہی اس کی اصل اہمیت ہے۔وگرنہ عربی ادب کے ماہرین اس ترجمے کو نہایت کمزور اور گمراہ کن بھی قرار دیتے ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ انتونی گلانڈ نے اس میں اپنی قصہ گوئی کی صلاحیت کا بھی بھرپور استعمال کیا، کہیں قصوں میں اپنا رنگ جمایا تو کئی قصوں میں اپنی طرف سے گھڑے واقعات بھی شامل کر دیے۔مگر اس ترجمے نے فرانسیسیوں کے دل موہ لیے۔جس زمانے میں (۱۷۰۴ تا ۱۷۱۷) یہ تراجم شائع ہو رہے تھے، کہا جاتا ہے کہ اُس زمانے میں فرانس کے محل سراؤں سے لے کر، گلیوں بازاروں تک انھی قصوں کی دھوم تھی۔لوگ نہایت شدت سے اس کی اگلی قسط کا انتظار کرتے۔ یہی ترجمہ آگے چلا اور ابتدائی طور پر تمام تراجم اسی ماخذ سے کیے گئے۔انگریزی، اطالوی، جرمنی، یونانی اور 'روسی زبانوں کے علاوہ سپین، پرتگال، رومانیہ، ہالینڈ، ڈنمارک، سوئیڈن

GUMAN گمان
VOL 7, ISSUE 3, 2024
E(ISSN) 2709-4162, P(ISSN) 2709-4154
https://guman.com.pk/index.php/GUMAN

اور ہنگری کی زبانوں میں بھی اس کے ترجمے ہوئے۔اس کی شہرت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ فرانسیسی میں ابھی اس کا ترجمہ مکمل بھی نہیں ہوا تھا کہ ۱۷۱۳ میں انگریزی میں بھی ساتھ ساتھ ہی اس کے ترجمے کا آغاز ہو چکا تھا۔

انگریزی ترجمہ:

جیسا کہ ذکر ہوا کہ الف لیلہ کی شہرت کے باعث اس کا انگریزی ترجمہ فرانسیسی ترجمے کے ساتھ ہی شروع ہو چکا تھا۔انگریزی میں ایڈورڈ ڈبلیو لین اور جان پین نے ابتدائی تراجم کیے۔مگر انگریزی کا مشہورِ زمانہ ترجمہ سر رچرڈ برٹن نے ۱۸۸۵ میں مکمل کر کے شائع کیا۔جسے شہرتِ دوام حاصل ہوئی۔حتیٰ کہ اردو تراجم کے لیے بھی زیادہ تر اسی سے استفادہ کیا گیا۔انگریزی ترجمے نے اس عربی شاہکار کو جست لگا کر عالمی کلاسیکی ادب کا حصہ بنا ڈالا۔جس کے بعد یہ دنیا کی تمام بڑی زبانوں میں ترجمہ ہوا، نیز اس پہ فلمیں بھی بنائی گئیں۔

اُردو ترجمہ

مشرقی ادب کے اس عالمی فن پارے کا اردو ترجمہ بیسویں صدی میں کہیں جا کر ہوا۔اُردو کی معروف ویب سائٹ ' ریختہ ' پر اس کا جو اولین ایڈیشن ' الف لیلہ المعروف بہ ہزار داستان ' کے نام سے موجود ہے(۲)،اس میں مترجم کا نام کہیں درج نہیں۔قیاس کیا جاتا ہے کہ اسے مختلف مترجمین نے مکمل کیا۔اس لیے اس پہ مترجم کا نام نہیں لکھا گیا۔نیز یہ باتصویر ایڈیشن ہے۔ناشر کی جگہ جے ایس سنت سنگھ اینڈ سنز تاجرانِ کتب، چوڑیوالان دہلی درج ہے۔بعد ازاں اس کا ایک مقفیٰ و مسجع ترجمہ رتن ناتھ سرشار اور مولوی عبدالکریم نے بھی کیا۔جسے جدید عہد میں ۲۰۱۱ میں سنگِ میل نے انتظار حسین کے پیش لفظ کے ساتھ شائع کیا۔جب کہ اس کی دوسری اشاعت آکسفورڈ یونیورسٹی پریس کے زیر اہتمام شمس الرحمان فاروقی اور اجمل کمال کی زیر ادارت ۲۰۱۲ کو چار جلدوں میں عمل میں آئی۔انتظار حسین اپنے پیش لفظ میں بتاتے ہیں کہ اردو میں جن بزرگوں نے الف لیلہ منتقل کی ان میں ''مولوی عبدالکریم، رتن ناتھ سرشار، مرزا حیرت دہلوی اور (ابوالحسن) منصور احمد کے نام خاص ہیں۔(۳) '' اس ترجمے کے متعلق آگے چل کر وہ لکھتے ہیں کہ ،

''سرشار نے الف لیلہ کو ترجمہ نہیں کیا ہے۔کتاب کے پہلے ایڈیشن میں یہ اطلاع دی گئی تھی کہ انھوں نے بکمالِ فصاحت و بلاغت انگریزی و عربی الف لیلہ سے ترجمہ کر کے ناول کے ڈھنگ پر تحریر کیا ہے۔ناول کے ڈھنگ پر تحریر کرنے کیفیت یہ ہے کہ انھوں نے جو کہانیاں مناسب سمجھی ہیں، اردو میں منتقل کی ہیں، مگر اس طرح کہ طویل کہانیاں ان کے یہاں چند صفحوں میں سما گئی ہیں۔(۴)''

الف لیلہ کا اردو میں ایک اور رواں ترجمہ علی گڑھ یونیورسٹی کے پروفیسر، ڈاکٹر ابوالحسن منصور نے کیا۔جو ۱۹۴۰ سے ۱۹۴۶ کے درمیان سات جلدوں میں انجمن ترقی اُردو (ہند) دہلی کے سلسلہ مطبوعات کے تحت شائع ہوا۔اس کا جدید ایڈیشن پاکستان میں تخلیقات نے ۲۰۰۹ میں شائع اسی طرح سات جلدوں میں شائع کیا۔(۵) یہ سب سے آسان، سادہ، سلیس اور رواں ترجمہ ہے جو اصل متن کے نہایت نزدیک ہے۔

الف لیلہ کے معروف کردار:

الف لیلہ کی اصل داستان تو ویسے بادشاہ شہریار، ملکہ شہرزاد اور اس کی بہن دنیازاد کے گرد گھومتی ہے۔مگر اس میں جن دیگر تاریخی اور افسانوی کرداروں کا ذکر کیا گیا ہے، ان میں سے چند اہم کردار مندرجہ ذیل ہیں:

افسانوی کردار	الہ دین	سندباد جہازی	علی بابا	مرجینا	نائی اور مچھیرا
تاریخی کردار	ہارون رشید	خسرو پرویز	شیریں	برامکہ	حاتم طائی

GUMAN
گمان
VOL 7, ISSUE 3, 2024
E(ISSN) 2709-4162, P(ISSN) 2709-4154
https://guman.com.pk/index.php/GUMAN

الف لیلہ پر بنائی گئی فلمیں:

الف لیلہ کے قصوں سے ماخوذ سب سے زیادہ فلمیں انگریزی میں بنائی گئیں۔اس سلسلے کی سب سے پہلی فلم " بغداد کا چور ۱۹۲۴ "میں بنی۔اسی نام سے پھر ۱۹۴۰، ۱۹۵۲اور پھر ۱۹۶۱ میں بھی فلمیں بنیں۔جب کہ اس سلسلے کی سب سے مشہور فلم " عربین نائٹس ۱۹۴۲ "میں بنی۔اسی نام سے پھر ۱۹۵۹اور ۱۹۷۴ میں فلمیں بنیں۔الہ دین ۱۹۹۲ میں بنی۔(۶)

ہندوستان میں حاتم طائی کے نام سے ۱۹۹۰ میں فلم بنی۔

پاکستان میں بھی اس داستان سے استفادہ کرتے ہوئے اسے فلم سازی میں استعمال کیا گیا۔۱۹۶۵ میں " ہزار داستان "کے نام سے فلم آئی۔جس کا ری مکس " الہ دین "کے نام سے ۱۹۸۱ میں پیش کیا گیا۔جب کہ " حاتم طائی ۱۹۶۷ "میں ریلیز ہوئی۔(۷)

عربی ادب میں الف لیلہ:

یہ کیسی عجب بات ہے کہ عرب کی سرزمین پر جنم لینے والی کہانیوں کی یہ کہانی، مغرب کے توسط سے دنیا تک پہنچی مگر خود اپنی جنم بھومی میں اٹھارویں صدی تک یہ گم نامی کی دھند میں پڑی رہی۔دنیا اس شاہکار سے تب وقت واقف ہوئی جب فرانسیسی سے ہوتی ہوئی یہ داستان انگریزی میں ترجمہ ہوئی۔تبھی عربی ادب میں بھی اس کا شہرہ ہوا اور اس کے اصل متن کی تلاش از سر نو شروع ہوئی۔عربی ادب نے اپنے اس کلاسیکی نثر پارے سے اتنا عرصہ کیوں کر اغماز برتے رکھا؟اس کی ایک وجہ بیان کرتے ہوئے محمد کاظم لکھتے ہیں:

"الف لیلہ کے عربی ادبیات میں بار نہ پا سکنے میں ایک اور بڑی وجہ یہ ہے کہ عربی ذہن اپنی ساخت کے اعتبار سے تصور و خیال کے مقابلے میں وصف و بیان سے زیادہ مطابقت و موانست رکھتا ہے۔وہ امیجی نیٹو کم اور ڈسکرپٹو زیادہ ہے۔(۸)"

یعنی ان کا یہ ماننا ہے کہ عربوں کے ہاں چوں کہ فصاحت و بلاغت کا رواج تھا اس لیے وہ شعر گوئی کی طرف مائل تھے۔کم الفاظ میں زیادہ بات کہنے کو وہ فصیح مانتے تھے۔عربی مثل ہے کہ "، خیر الکلام ماعقل ودل "یعنی بہترین کلام وہ ہے جو مختصر ہو لیکن مطلب واضح کرے۔جب کہ الف لیلہ ایک طویل داستان ہے، قصہ در قصہ ہے، اس کی زبان بھی عامیانہ ہے۔کیوں کہ اس کا تعلق عام آدمی سے تھا۔شعر گوئی و شعر فہمی ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں، جب کہ کہانی کا بنیادی قاری ہی عام آدمی ہے۔اس لیے اس کی شعریات و لسانیات مکمل طور پر عام آدمی کی ذہنی سطح کے مطابق رکھی جاتی ہے۔اور عربوں میں زبان کی فصاحت و بلاغت کے پیش نظر محمد کاظم کے بقول، یہ مفروضہ دلوں اور دماغوں کے اندر بیٹھ گیا تھا کہ جو چیز عوام کی خاطر تصنیف کی گئی ہو اور جس سے عوام کی دل جوئی اور تفریح مقصود ہو، وہ ' ادب ' کے زمرے میں کبھی شمار نہیں ہو سکتی۔کیوں کہ عرب اپنی زبان اور قادر الکلامی پر نہایت فخر کرتے تھے۔پند و نصائح، قصیدہ، ہجو، طعنہ، ان کے ہاں عام تھے۔وہ بھلا ایسی عامیانہ زبان سے بھری، کہانی در کہانی سناتی داستان کو کیوں کر منہ لگاتے۔جس کا اول و آخر مقصد سننے والوں کو تفریح بہم پہنچانا تھا۔

یہی بات انتظار حسین کچھ اس طرح کرتے ہیں:

"الف لیلہ کی کہانیاں انسانی فطرت سے آشنائی پیدا کرتی ہیں۔۔۔انسانی فطرت کے اس مطالعے میں نہ تو جذبات و تعصبات کو دخل ہے، نہ کوئی اخلاقی معیار راہ میں حائل ہے۔الف لیلہ کے مصنفوں نے وعظ و پند کا فرض اپنے ذمے نہیں لیا ہے۔وہ کسی منبر پر نہیں کھڑے ہیں، کسی اونچے مقام سے نہیں بولتے۔اپنی طرف سے کوئی تبصرہ، کوئی رائے زنی نہیں کرتے۔بھول چوک کی اس پوٹ کو جیسا انھوں نے جانا ہے، پیش کر دیا ہے۔(۹)"

GUMAN گمان
VOL 7, ISSUE 3, 2024
E(ISSN) 2709-4162, P(ISSN) 2709-4154
https://guman.com.pk/index.php/GUMAN

یہی وجہ ہے کہ الف لیلہ سے عربی ادبیات ایک عرصے تک کنارے کنارے رہا،تاوقتیکہ کہ مغربی مستشرقین کے ذریعے اسے عالمی پذیرائی اور وقعت نصیب ہوئی۔

الف لیلہ کا ہندی ماخذ:

محمد کاظم ممکنہ طور پر اس اغماز کی ایک اور حیران کن اور دلچسپ وجہ بھی بتاتے ہیں۔وہ یہ کہہ کر حیران کر دیتے ہیں کہ ''،الف لیلہ کا موطن ومبدہ عرب کی سرزمین نہیں ہے،بلکہ کسی حد تک ہند اور پھر ایران کی سرزمین ہے۔(۱۰)''اس کے لیے دلیل وہ یہ لاتے ہیں کہ اول تو اُس زمانے میں پہلوی زبان میں ہندی اور ایرانی کہانیوں کی ایک کتاب' ہزار افسانہ 'کے نام سے مشہور تھی، جس میں اسی طرز پر کہانی در کہانی قصہ چلتا ہے۔اس لیے اس کتاب کے پہلے حصے پر فارسی اور ہندوستانی رنگ غالب ہے۔مزید وہ اس کے لیے ایک ہندی کہانی کا مرکزی خیال بتاتے ہیں کہ جس میں ایک عورت اپنے خاوند کے دور دراز سفر پر جانے کے بعد کسی دوسرے شخص سے پینگیں بڑھانا چاہتی ہے تو گھر کا پالتو توتا اپنے مالک کی وفاداری میں اسے اس فعل سے بچانے کو ایک انوکھا طریقہ کھوجتا ہے۔وہ روزانہ سورج غروب ہونے کے بعد اپنی عاشق مزاج مالکن کو ایک کہانی سناتا ہے اور دیر گئے اسے ایک دلچسپ موڑ پر لا کر کہتا ہے کہ باقی کا حصہ کل اسی وقت،اگر تم گھر پہ رہیں تو سناؤں گا۔یوں روز وہ کہانی سے کہانی نکالتا ہے، حتیٰ کہ شوہر واپس آجاتا ہے۔کاظم صاحب کے بقول الف لیلہ کا مرکزی خیال اور بنیادی فریم ورک اسی ہندی کہانی سے ماخوذ ہے۔اسی طرح ہندوستان کے مقدس صحیفوں سے لے کر پنچ تنتر وغیرہ میں قصہ گوئی کا یہی طرز رائج رہا ہے۔ بعدازاں یہ کہانیاں سفر کرتی ہوئی فارس اور پھر عرب سرزمین تک پہنچیں تو انھوں نے اس میں اپنا علاقائی،جغرافیائی وثقافتی رنگ شامل کر کے اسے ایک ہزار ایک کہانیوں تک پہنچا دیا۔اور کیوں کہ اس کی پرورش اور تکمیل وہیں ہوئی،اس لیے یہ عربی کلاسیک کہلائے،وگرنہ اس میں برصغیر سے لے کر فارس ومصر تک مشرق کے سبھی رنگ اور ذائقے محسوس کیے جا سکتے ہیں۔

فروری ۲۰۱۰ء میں مادری زبانوں کے عالمی دن کے موقع پر ہندوستان کی جواہر لعل یونیورسٹی نے اس ادبی شاہکار پر ایک،سہ روزہ عالمی سیمینار منعقد کروایا،جس میں مشرق سے لے کر یورپ تک کے عالم فاضل شامل ہوئے،تو وہاں بھی مقامی ادیبوں نے یہی دعویٰ کچھ اس طرح کیا کہ اس عالمی شہ پارے کی ابتدائی کہانیوں کا ماخذ اور مرکزی تھیم ہندوستان کی سرزمین سے ملتے ہیں۔دلی سے اس سیمینار کو رپورٹ کرنے والے بی بی سی اُردو کے نامہ نگار مرزا اے بی بیگ نے لکھا کہ '،ہندوستان کا اس سلسلے میں یہ دعویٰ ہے کہ اس کی کہانیاں ان کی ہیں کیونکہ ان کے یہاں ایسی کہانیوں کی روایت رہی ہے۔بہر حال یہ تو طے ہے کہ پنچ تنتر کی کہانیاں پہلے عربی زبان میں کلیلہ ودمنہ کے نام سے ترجمہ ہوئیں اور پھر وہاں سے فارسی زبان میں آئیں'۔(۱۱)

اس معاملے میں محمد کاظم کی یہ رائے صاحب معلوم ہوتی ہے کہ،

''الف لیلہ قسم کے شاہکاروں پر کسی ایک ملک یا قوم کا اجارہ نہیں ہوا کرتا۔وہ دنیا کے سارے لوگوں کے لیے ہوتے ہیں اور ہر ملک میں اپنے ملکی ادب کی حیثیت سے ان کا خیر مقدم کیا جاتا ہے۔(۱۲)''

جب کہ انتظار حسین یہ کہہ کر ساری بات سمیٹ لیتے ہیں کہ،

''الف لیلہ ہماری اجتماعی ذات کی دستاویز ہے۔(۱۳)''

حواشی وحوالہ جات:

۱۔ محمد کاظم،''عربی ادب میں مطالعے''، نقشِ اول کتاب گھر لاہور،۱۳۹۹ھ (۱۹۷۸)،ص ۱۰

۲۔

https://www.rekhta.org/ebooks/alf-laila-hazar-dastan-mukammal-unknown- author-ebooks-1?lang=ur

۔انتظار حسین، ''ہزار داستان''، سنگِ میل لاہور، ۲۰۱۱، ص ۳۱۶

۔ایضاً، ص ۱۶۔۴۱۷

۔ابوالحسن، منصور احمد، ''الف لیلہ ولیلہ (ایک ہزار ایک داستان) جلد اول تا ہفتم''، تخلیقات لاہور، ۵۲۰۰۹

۔الف۔لیلہ۔و۔لیلہ ۶ https://ur.wikipedia.org/wiki/

۷ ۔https://jang.com.pk/news/780985

۔محمد کاظم، ص ۸۲۶

۔انتظار حسین، ص ۹۱۴

۔محمد کاظم، ص ۱۰۱۶

۱۱۔https://www.bbc.com/urdu/india/2010/02/100225_arabian_nights_sz

۔محمد کاظم، ص ۱۲۳۲

۔انتظار حسین، ص ۱۳۱۵